ماہنامہ حیدرآباد

صدائے شبلی

Monthly Hyderabad

SADA E SHIBLI

Issue: 75 شمارہ: Vol: 7 جلد: May 2024 مئی

ISSN: 2581-9216

مدیر:

ڈاکٹر محمد محامد ہلال اعظمی

نائب مدیران:

ڈاکٹر عبدالقدوس

ڈاکٹر سراج احمد انصاری

ابوہریرہ یوسفی

قیمت فی شمارہ:	20/-
سالانہ:	220/-
رجسٹرڈ ڈاک:	350/-
بیرونی ممالک:	50/- امریکی ڈالر
خصوصی تعاون:	2000/-

SADA E SHIBLI
A/c: 1327102000023922
Ifsc: IBKL0001327
IDBI Bank: CHARMINAR HYD, T.S

Email: sadaeshibli@gmail.com

Mob: 9392533661 - 8317692718

ماہنامہ ''صدائے شبلی'' حیدرآباد میں مقالہ نگاران سے ادارہ کا متفق ہونا ضروری نہیں ہے

مجلس مشاورت:

پروفیسر اشتیاق احمد ظلی۔ پروفیسر مظفر علی شہہ میری
پروفیسر محسن عثمانی ندوی۔ پروفیسر ابوالکلام
پروفیسر شاہد نوخیز اعظمی۔ ڈاکٹر محمد الیاس اعظمی
مفتی محمد فاروق قاسمی۔ مولانا ارشاد الحق مدنی
ڈاکٹر نادر المسدوسی، مولانا محمد مساعد ہلال احیائی
اعجاز علی قریشی ایڈوکیٹ۔ محمد سلمان انجینئر

مجلس ادارت:

ڈاکٹر محمد رفیق۔ ڈاکٹر حمران احمد۔ ڈاکٹر ناظم علی
ڈاکٹر مختار احمد فردین۔ ڈاکٹر غوثیہ بانو
ڈاکٹر سید امام حبیب قادری۔ ڈاکٹر سید اسرار الحق سبیلی
ڈاکٹر سمیہ تمکین۔ ڈاکٹر صالحہ صدیقی۔ ڈاکٹر نوری خاتون
ڈاکٹر فاروق احمد بھٹ۔ ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان
ڈاکٹر آصف لئیق ندوی۔ ڈاکٹر مظفر علی ساجد۔
مولانا عبدالوحید ندوی۔ مولانا احمد نور عینی
ابوہریرہ ایوبی۔ محسن خان

ہر طرح کی قانونی چارہ جوئی صرف حیدرآباد کی عدالت میں ہوگی

محمد محامد ہلال (اونر، پبلشر، پرنٹر، ایڈیٹر) نے دائرۃ الیکٹرک پریس میں چھپوا کر حیدرآباد تلنگانہ سے شائع کیا

خط و کتابت کا پتہ

MOHD MUHAMID HILAL #17-6-352,
B1, 2nd Floor,Bafana Complex,
Dabirpura Road, Purani Haveli,
Hyderabad- 500023. T.S

فہرست مضامین

۱	اپنی بات	ڈاکٹر محمد محامد ہلال اعظمی	۵
۲	اخلاقِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم	علامہ شبلی نعمانیؒ	۶
۳	**صالحیت**	مولوی حبیب الرحمٰن	۷
۴	برادر شبلی محمد جنید	ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی	۱۰
۵	ٹیپو سلطان: ایک روشن خیال حکمراں	ڈاکٹر محمد شاہد صدیقی	۱۲
۶	**قطعہ وغزل**	جہانگیر قیاس	۱۴
۷	عید کی حقیقی خوشی دید (نظر) ہی میں ہے	ایس۔ ایم۔ عارف حسین	۱۵
۸	عالمی یوم خواتین اور ہندوستان میں خواتین کی موجودہ حالت	یاسمین اسلام	۱۶
۹	'بساطِ فن' کے آئینے میں نسیم اشک	علی شاہد دلکش	۲۰
۱۰	اردو میں خواتین کی خاکہ نگاری ایک جائزہ (۲)	ابن مریم	۲۵
۱۱	**غزل**	شکیل ارمان	۲۸
۱۲	گلوبل وارمنگ جیسے حساس مسئلے سے نمٹنا ضروری	علیزے نجف	۲۹
۱۳	**غزل**	شاہ زیب شہاب	۳۱
۱۴	''دل کی بات، دل میں رہے''	خیر النساء علیم	۳۲
۱۵	**غزل**	رہبر پرتاپ گڑھی	۳۳
۱۶	اردو شعر و ادب کا درویش صفت شاعر: عظیم انصاری	ناہید اختر	۳۴
۱۷	ماہنامہ ''صدائے شبلی'' حیدرآباد جولائی 2019	ڈاکٹر محمد ناظم علی	۳۷
۱۸	برادرِ شبلی مہدی حسن اور ان کے مکاتیب لندن	تبصرہ نگار: ابراہیم افسر	۳۸

ماہنامہ ''صدائے شبلی'' کے خصوصی معاونین

جناب **ابو سفیان اعظمی**، مقیم حال ممبئی

جناب **محمد یوسف** بن الحاج محمد منیر الدین عرف ولی مرحوم، حیدرآباد

مفتی **محمد فاروق قاسمی**، صدر علماء کونسل وجے واڑہ، آندھرا پردیش

ڈاکٹر **سید جلیل حسین** ایم ڈی (علیگ) ٹولی چوکی حیدرآباد

مولانا **منصور احمد قاسمی**، معین آباد، تلنگانہ

الحاج **رئیس احمد اقبال**، انجینئر صدر سہارا ویلفیئر سوسائٹی، حیدرآباد

الحاج **محمد زکریا** انجینئر (داماد استاذ الاساتذہ حضرت عبد الرحمٰن جامیؒ)

ڈاکٹر **شہباز احمد**، پروفیسر گورنمنٹ نظامیہ طبی کالج چارمینار، حیدرآباد

مولانا **محمد عبد القادر سعود**، نائس جوس سینٹر سکندرآباد، حیدرآباد

الحاج **محمد قمر الدین**، نبیل کالونی بارکس حیدرآباد

الحاج **محمد عبد الکریم**، صدر مسجد اشرف کریم گلشن باغ، حیدرآباد

اپنی بات

ہمارے ملک میں پارلیمانی انتخاب جاری ہیں، سات مرحلے میں ان کی تکمیل ہوگی، ابھی انتخابی مرحلہ شروع ہی ہوا کہ ہمارے ملک میں وزیراعظم نے نعرہ دے دیا اب کی بار چار سو پار، اسی نعرے پر ورقی اور برقی میڈیا میں بحث ہونے لگی کہ بے جے پی کو کیسے چار سو نشستیں حاصل ہوں گی؟ اور کیسے نہیں حاصل ہوگی؟ طرفہ تماشہ یہ رہا کہ برسراقتدار جماعت کے چند لیڈروں نے یہ کہنا شروع کیا کہ ہمیں اگر چار سو نشستیں حاصل ہوگئیں تو ہم ڈاکٹر بھیم راؤ امبیڈکر کے بنائے ہوئے دستور کو بدل دیں گے اور یہ بھی ممکن ہے کہ ہم انتخاب کو مسدود کردیں گے۔

ہمارے ملک کے وزیراعظم نے الیکشن کے دوران کامیاب ہونے کے لئے ملک میں اپنی زبان اور اعمال سے نفرت کا مزید بیج بونے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی، یہاں تک کہہ دیا کہ اس ملک کا مسلمان ہندو بہنوں کا منگل سوتر چھین لیں گے اور اگر کانگریس حکومت آئی تو ہندوؤں کی جائیداد اور حکومت کی اسکیمات پر پہلے مسلمانوں کو اختیار دیا جائے گا، افسوس صد افسوس! ہمارے ملک کے وزیراعظم کا اس طرح سے جھوٹا غیر ذمہ دارانہ بیان دینا اور اپنے آپ کو طاقت ور بتانا اور دس سال تک حکومت پر فائز رہنے کے باوجود ایسی باتیں کرنا ملک کے مستقبل کے لئے خطرناک ثابت ہوسکتی ہے۔ ہونا تو یہ چاہئے تھا کہ بی جے پی حکومت اپنے دس سال کی کارکردگی بتاتی کہ ہم نے تعلیمی، تعمیری، تہذیبی، طبی، تجارتی اور روزگار میں یہ یہ اضافہ کیا ہے اور آئندہ کے لئے ہمارے پاس پورے ملک کی ترقی کے لئے یہ یہ عزائم اور مقاصد ہیں۔

اپوزیشن جماعت یعنی انڈیا گٹھ بندھن نے پورے ملک میں برسراقتدار پارٹی کی کمزوریوں اور ناکامیوں کو اُجاگر کیا اور برسراقتدار پارٹی کے بارے میں یہاں تک کہہ دیا کہ اگر ملک کا دستور اور دیش بچانا ہے تو مودی سرکار کو ہٹانا ہوگا، ہم ملک میں محبت کی جگہ جگہ دکان کھول رہے ہیں اور کھولیں گے، تعلیمی، تعمیری روزگار کے معاملہ میں تمام طبقات کے ساتھ یکساں سلوک کریں گے، ملک کے غریب باشندوں اور خواتین پر ہماری بہت خاص اسکیمیں ہیں ان پر عمل کریں گے۔ آنے والا وقت بتائے گا کہ ہمارے ملک میں کس کی حکومت قائم ہوگی، ہم تو بس یہی دعا کریں گے کہ اللہ تعالیٰ اس ملک کو اچھے حکمراں نصیب فرما جو تمام طبقات کو اس کا حصہ دلا سکے اور ملک کو محبت کے ساتھ ترقی کی راہوں پر ڈالے۔ (آمین)

یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ مذہب اسلام نے خواتین کو چاہے ماں، بہن، بیٹی، بیوی ہر روپ میں باعزت قرار دیا ہے، ہمارے حضور ﷺ نے فرمایا کہ دنیا میں وہ مرد سب سے اچھا ہوتا ہے جو اپنی بیوی کے ساتھ اچھا ہو، مگر افسوس کی بات ہے کہ آئے دن کچھ دشمن عناصر اسلامی تعلیمات میں عیب اور نقص نکالنے کی کوشش کرتے ہیں تاکہ دنیا کی خواتین اور مسلمان خواتین مذہب اسلام سے متنفر ہوجائیں، حالانکہ اسلامی تعلیمات سچائی اور عدل پر مبنی ہیں، نیز انسانی فطرت کے عین مطابق ہیں۔ حالیہ دنوں میں ایک فلم جس کا نام ہم دو، ہمارے بارہ کا ٹیلر ریلیز ہوا، اس میں یہ بتایا جارہا ہے کہ ایک ٹوپی والا مسلمان خاتون کو دوران حمل بیماری کی حالت میں جنسی تعلق کے لئے زیادتی کررہا ہے جب کہ اسلام نے تو یہ تعلیم دی ہے کہ جب عورت بیمار ہو تو اس کا خاص خیال رکھا جائے اور شوہر کو اس کے قریب جانے سے منع کیا گیا ہے۔ ایسی فلموں پر پابندی لگائی جائے اور بنانے والوں پر مقدمہ درج کیا جائے تاکہ دوسروں کے لئے عبرت ہو۔ اور ہم مسلمانوں پر بھی یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ ہم اپنے اسلامی طریقہ زندگی کو لوگوں کے سامنے پیش کریں۔

اسلام کی فطرت میں قدرت نے لچک دی ہے
یہ اتنا ہی اُبھرے گا جتنا کہ دباؤ گے

محمد محامد ہلال اعظمی

اخلاقِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم

علامہ شبلی نعمانیؒ

صحیح بخاری میں آنحضرت ﷺ کے ایلا (ازواج مطہرات سے چند روز علاحدگی) کی جو روایت مذکور ہے، اس میں حضرت عمرؓ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ ”مکہ میں ہم لوگ عورتوں کو بالکل ناقابل التفات سمجھتے تھے، مدینہ میں نسبتاً عورتوں کی قدر تھی لیکن نہ اس قدر جس کی وہ مستحق تھیں،“ آنحضرت ﷺ نے جس طرح اپنے ارشاد واحکام سے ان کے حقوق قائم کیے، آپ ﷺ کے برتاؤ نے اور زیادہ اس کو قوی اور نمایاں کر دیا، ازواج مطہرات کے واقعات مستقلاً مذکور ہیں، یہاں ہم عام واقعات لکھتے ہیں۔

آنحضرت ﷺ کے دربار میں چوں کہ ہر وقت مردوں کا ہجوم رہتا تھا، عورتوں کو وعظ وپند سننے اور مسائل دریافت کرنے کا موقع نہیں ملتا تھا، مستورات نے آکر درخواست کی کہ مردوں سے ہم عہدہ برآنہیں ہوسکتے، اس لیے ہمارے لیے ایک دن خاص مقرر کردیا جائے، آنحضرت ﷺ نے ان کی درخواست قبول فرمائی اور ان کے دربار کا ایک خاص دن مقرر ہوگیا۔

جن لوگوں نے آغاز اسلام میں حبش ہجرت کی تھی، ان میں اسماء بنت عمیس بھی تھیں، خیبر کی فتح کے زمانہ میں مہاجرین حبش مدینہ میں آئے تو وہ بھی آئیں، ایک دن وہ حضرت حفصہؓ سے ملنے گئیں، اتفاق یہ کہ اس وقت حضرت عمرؓ بھی موجود تھے، ان کو دیکھ کر پوچھا کہ یہ کون ہیں، حضرت حفصہؓ نے نام بتایا، حضرت عمرؓ نے کہا ”ہاں وہ حبش والی وہ سمندر والی“ اسماءؓ بنت عمیس نے کہا ہاں وہی، حضرت عمرؓ نے کہا ”ہم نے تم لوگوں سے پہلے ہجرت کی اور اس لیے رسول اللہ ﷺ پر ہمارا زیادہ حق ہے“۔ اسماءؓ کو سخت غصہ آیا، بولیں ”ہرگز نہیں، تم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ رہتے تھے، بھوکوں کو کھلاتے تھے، ہمارا یہ حال تھا کہ گھر سے دور، بے گانے حبشیوں میں رہتے تھے، لوگ ہم کو ستاتے تھے اور ہر وقت جان کا ڈر لگا رہتا تھا، یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ رسول اللہ ﷺ آگئے، اسماءؓ نے کہا ”یا رسول اللہ! عمرؓ نے یہ یہ کہا“ آپ ﷺ نے فرمایا تم نے کیا جواب دیا، انھوں نے ماجرا سنایا، آپ ﷺ نے فرمایا ”عمرؓ کا حق مجھ پر تم سے زیادہ نہیں، عمر اور ان کے ساتھیوں نے صرف ایک ہجرت کی اور تم لوگوں نے دو ہجرتیں کیں“۔

اس واقعہ کا چرچا پھیلا تو مہاجرین حبش جوق در جوق اسماءؓ کے پاس آتے اور آنحضرت کے الفاظ ان سے بار بار دہروا کر سنتے، حضرت اسماءؓ کا بیان ہے کہ مہاجرین حبش کے لیے دنیا میں کوئی چیز آنحضرت ﷺ کے ان الفاظ سے زیادہ مسرت انگیز نہ تھی۔

حضرت انسؓ بن مالک جو خادم خاص تھے، ان کی خالہ کا نام ام حرام تھا (جو رضاعت کے رشتہ سے آپ ﷺ کی بھی خالہ تھیں) معمول تھا، جب آپ ﷺ قبا تشریف لے جاتے تو ان کے پاس ضرور جاتے، وہ اکثر کھانا لاکر پیش کرتیں اور آپ ﷺ نوش فرماتے، آپ ﷺ سو جاتے تو بالوں میں سے جوئیں نکالتیں۔

حضرت انسؓ کی والدہ ام سلیمؓ سے آپ ﷺ کو نہایت محبت تھی، آپ ﷺ اکثر ان کے گھر تشریف لے جاتے، وہ بچھونا بچھا دیتیں، آپ آرام فرماتے، جب سو کر اٹھتے تو وہ آپ ﷺ کا پسینہ ایک شیشی میں جمع کرلیتیں، مرتے وقت وصیت کی کہ کفن میں حنوط ملایا جائے تو عرق مبارک کے ساتھ ملایا جائے۔

(سیرۃ النبیؐ، جلد: دوم، ص: ۳۰۷-۳۰۸)

مولوی حبیب الرحمن۔حیدرآباد

صالحیت

انسان کی کمزوری یہی ہے کہ اللہ جل شانہٗ کو رب تسلیم کرنے اور آخرت کی زندگی کو مقصود بنانے کے باوجود جب زندگی کے واقعات انسان کی مرضی کے خلاف پیش آتے ہیں تو وہ ان پر معترض ہوتا ہے، چیں بہ جبیں ہوتا ہے، شکوہ وشکایت کرتا ہے کہ ''ایسا کیوں ہوا' یہ نہ ہونا چاہئے تھا' یوں ہوتا تو بہتر ہوتا وغیرہ وغیرہ۔ ایسے خیالات واعتراضات' اقرارِ ربوبیت کے منافی ہیں، اس لئے قلب کی اس باطنی کمزوری کو دور کرنے کے لئے جان' مال' بھوک' پیاس اور دیگر نقصانات سے اللہ جل شانہٗ آزماتے ہیں۔ اس امتحان کے موقع پر ہر مومن کو چاہئے کہ ان مصائب کو برداشت کرے یعنی صبر کرے۔ ان کو من اللہ سمجھے' اپنے لئے خیر سمجھے' ان کے نازل ہونے اور دفع نہ ہونے پر نہ معترض ہو نہ حیران و پریشان اور نہ شکوہ وشکایت کرے بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ رہے۔ خصوصاً اہلِ باطل کی جانب سے اشاعتِ حق کے سلسلہ میں اہلِ حق کو جان ومال کی تکالیف پہنچتی رہتی ہیں۔ یہ بھی دراصل اللہ جل شانہٗ ہی کی طرف سے ایک امتحان ہے اس امتحانی دور میں اگر مومن کی زندگی ختم ہوجائے تو اس کو شہادت کا درجہ عطا کیا جاتا ہے اور اگر یہ دور کامیابی سے گزرجائے تو بندۂ مومن دنیا وآخرت میں عام وخاص رحمتوں کا مستحق ہوجاتا ہے اور اس کو ہدایت کے اعلیٰ ترین مقام پر فائز ہونے کی بشارت دی جاتی ہے۔ ''وَلَنَبۡلُوَنَّكُمۡ بِشَیۡءٍ مِّنَ الۡخَوۡفِ وَالۡجُوۡعِ وَنَقۡصٍ مِّنَ الۡاَمۡوَالِ وَالۡاَنۡفُسِ وَالثَّمَرٰتِ وَبَشِّرِ الصّٰبِرِیۡنَ. الَّذِیۡنَ اِذَاۤ اَصَابَتۡهُمۡ مُّصِیۡبَةٌ قَالُوۡۤا اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّاۤ اِلَیۡهِ رٰجِعُوۡنَ. اُولٰٓئِكَ عَلَیۡهِمۡ صَلَوٰتٌ مِّنۡ رَّبِّهِمۡ وَرَحۡمَةٌ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الۡمُهۡتَدُوۡنَ﴾ (سورہ البقرہ:154 تا157) ترجمہ: (اور ہم ضرور تمہارا امتحان لیں گے کسی قدر خوف سے اور فاقہ سے اور مال اور جان اور پھلوں کی کمی سے اور آپؐ ایسے صابرین کو بشارت سنادیجئے جن پر کوئی مصیبت آتی ہے تو کہتے ہیں کہ ہم اللہ تعالیٰ کی ملک ہیں اور اللہ تعالیٰ ہی کے پاس جانے والے ہیں (ان لوگوں پر ان کے رب کی طرف سے خاص رحمت بھی ہوگی اور عام رحمت بھی۔) یہی لوگ ہدایت پانے والے ہیں۔) کیا فضل وکرم ہے کہ صبر کے ساتھ جان دے دی تو شہادت کا درجہ پایا اور صبر کے ساتھ زندہ رہے تو ہدایت کے اعلیٰ مقام پر فائز ہونے اور خاص وعام رحمت کا مستحق ہونے کی بشارت ملی۔ ''وَقِیۡلَ الۡحَمۡدُ لِلّٰهِ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ'' (سورہ الزمر:75)۔ مؤمن کے لئے صبر کے مختلف مواقع ہیں مثلاً 1) اہل باطل پر بالعموم دنیا کشادہ نظر آتی ہے جسے دیکھ کر مومن کے دل میں گرانی پیدا ہوتی ہے اور وہ خیال کرتا ہے کہ ہم تو اللہ جل شانہٗ کو اپنا رب واللہ واحد مانتے ہیں۔ اپنی وسعت کی حد تک ان کی بندگی کرتے ہیں مگر دنیا ہم پر کشادہ نہیں ہے یہاں صبر کا پہلو یہ ہے کہ اسلام لانے کے معنی ہی یہ ہیں کہ ہم نے آخرت کے نفع کو دنیا کے نفع پر ترجیح دی ہے۔ ہمارا مطلوب آخرت ہے دنیا نہیں ہے۔ اب اگر دنیا تنگ ہے تو یقیناً دنیا کشادہ ہونے میں ہماری آخرت کا ضرر ہے۔ یہ حکمتِ الٰہی واضح ہونے کے بعد اہلِ باطل کو اپنے مقابلہ میں خوش حال دیکھ کر قلب میں حزن وملال پیدا نہ ہوگا اور صبر آسان تر ہوجائے گا۔ چونکہ اس ادراک سے ایمان میں

قوت پیدا ہوتی ہے۔اس لئے مصیبت میں بھی شکر پیدا ہوجائے گا۔ اور الحمد للہ علی کل حال کا مقام حاصل ہوگا۔ 2) دین و ایمان کی حفاظت اور حق کی اشاعت کے سلسلہ میں لوگوں کی بدگوئی و بد اخلاقی' ترش روئی' لعن وطعن کو بہ طیبِ خاطر برداشت کرے اور اپنا فرض انجام دیتا رہے۔ 3) دین وایمان کی حفاظت یا حق کی اشاعت کے سلسلہ میں اگر ترک وطن پر مجبور ہو تو سفر وغیرہ کی تمام تکلیفوں کو خوشی خوشی گوارا کرے۔

ہدایت کی بلند منزلیں طے کرنے کے لئے شکر وصبر دو راہیں ہیں اور ایمان کا بلند درجہ یہ ہے کہ ہر تکلیف میں صبر کا پہلو نکال کر شکر میں مشغول رہے۔

صبر کے فائدے

1۔ اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کی مدد فرماتے ہیں۔"ان اللہ مع الصابرین"،یعنی مشکلیں آسان کردی جاتی ہیں۔

2۔ صبر کرنے والے سے اللہ تعالیٰ محبت کرتے ہیں۔"وَاللّٰهُ يُحِبُّ الصّٰبِرِيْنَ" مطلب یہ ہے کہ خوف وحزن میں مبتلا نہیں رکھتے، مصیبت میں بھی سکون وطمانیت عطا کرتے ہیں یا مصیبت دفع ہونے کے سامان پیدا فرمادیتے ہیں۔ان آیات میں یہ اشارہ بھی ہے کہ مؤمن پر مصیبتوں کا آنا اس کے محبوبِ حق ہونے کی خاص علامت ہے جیسا کہ ارشاد نبویؐ ہے: "وان اللہ عزو جل اذا احب قومًا ابتلاھم" (ترمذی' ابن ماجہ) ترجمہ: (اللہ تعالیٰ جس کسی گروہ کو دوست رکھتا ہے تو اس کو آزماتا ہے۔)

3۔ صبر کرنے والوں کو بے حساب اجر عطا فرماتے ہیں۔ "اِنَّمَا يُوَفَّى الصّٰبِرُوْنَ اَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ"(سورہ الزمر:10)اس ارشاد میں یہ بشارت ہے کہ راہ حق میں مصیبت برداشت کرنے والوں کو بے حساب اجر دیا جائے گا۔

صبر کے علاوہ ایک اور مقام رضا بالقضا ہے وہ یہ ہے کہ رزق و عافیت' مال واولاد وغیرہ کی کمی' تنگی اور جان و مال کا نقصان جو اللہ تعالیٰ کے علم وحکمت کے تحت مقرر ہے اس سے ناراض نہ رہنا' عافیت وصحت سے رہنے کی دعا وکوشش کے بعد اللہ تعالیٰ جس حال میں رکھیں خوش رہنا' طبعی طور پر تکلیف سے بے چین ہونا' آہ واُف کرنا منافی رضا نہیں۔ جیسے کڑوی دوا پیتے وقت تکلیف ہوتی ہے مگر دل حکیم سے راضی رہتا ہے۔

۴) محبت:

جہل کے باعث خودساختہ معبودوں سے عقیدت ومحبت رہتی ہے اور علمِ حق' ایمان باللہ کے بعد اللہ تعالیٰ سے گہری عقیدت ومحبت قائم ہوجاتی ہے۔"وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّتَّخِذُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْدَادًا يُّحِبُّوْنَهُمْ كَحُبِّ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ" (سورہ البقرہ:165) ترجمہ: (اور ایک آدمی وہ بھی ہیں جو خدا تعالیٰ کے سوا دوسروں کو بھی شریک خدائی قرار دیتے ہیں اور ان سے ایسی محبت رکھتے ہیں جیسی اللہ سے اور جو مومن ہیں ان کو صرف اللہ سے زیادہ محبت ہوتی ہے۔) نیز انسان کو فطرتاً اپنی جان سے محبت ہوتی ہے اس لئے ان تمام چیزوں کو محبوب رکھتا ہے جن پر اس کی زندگی کا دارومدار ہے۔ جیسے مال و دولت' بیوی بچے وغیرہ، ایمان کے بعد جب یہ حقیقت ذہن نشین ہوجاتی ہے کہ جانِ عزیز اور اس کے تعلق سے تمام محبوب ومرغوب چیزیں اللہ تعالیٰ ہی کی عطا کی ہوئی نعمتیں ہیں تو عطا کرنے والے سے محبت پیدا ہوجاتی ہے اور محبت کے باطل رشتے ٹوٹ جاتے ہیں۔اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ جان وہ مال واولاد سے محبت باقی نہیں رہتی بلکہ اللہ سے شدید محبت رکھنے کا یہ اثر ہوتا ہے کہ مخلوق کی محبت اللہ تعالیٰ کے حکم وہدایت کی بجا آوری میں رکاوٹ نہیں پیدا کرتی۔اس کے بعد مال واولاد وغیرہ کی محبت اور ان کی خدمت وحفاظت اس وجہ سے صحیح ہوجاتی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی نعمتیں ہیں)

نفس کا ذاتی لگاؤ باقی نہیں رہتا۔

انسان فطرتاً اسی سے محبت کرتا ہے جو انسان کو بہت زیادہ چاہتا ہے یہ ایک حقیقت ہے کہ حق تعالیٰ اپنی مخلوقات میں انسان کو سب سے زیادہ چاہتے ہیں۔ جس کی ایک علامت تو یہ ہے کہ تمام مخلوقات میں سب سے اچھی صورت انسان ہی کی بنائی۔ "صَوَّرَكُمْ فَاَحْسَنَ صُوَرَكُمْ" (سورہ تغابن:3)۔ دوسری علامت سب سے زیادہ چاہنے کی یہ ہے کہ انسان کے کھانے پینے کے لئے اللہ تعالیٰ نے ان غذاؤں کا انتخاب فرمایا جو ذائقہ و بُو و فائدہ کے لحاظ سے سب سے بہتر ہیں۔ عمدہ قسم کے جانور، عمدہ قسم کے میوہ جات، عمدہ قسم کے نباتات، عمدہ قسم کے مشروبات وغیرہ بجز ان کے جو انسان کی صحت و اخلاق کے لئے مضر ہیں۔ "فَكُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ حَلٰلًا طَيِّبًا" (سورہ النحل:114 اور المائدہ:88) ترجمہ: (اللہ تعالیٰ نے تم کو جو رزق دیا ہے حلال و پاکیزہ اس سے تم کھاؤ۔) خود فطرتِ انسانی میں یہ لطافت ودیعت ہے کہ ناقص، خراب، بدذائقہ، بدبودار اور گھانس فضہ کے قسم کی کوئی چیز انسان کو پسند نہیں ہے نیز انسان کو تمام مخلوق کے مقابلہ میں مکرم و صاحبِ عزت بنایا۔ "لَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْٓ اٰدَمَ" (اسریٰ:70) جس کی واضح علامت یہ ہے کہ تمام مخلوق انسان کے لئے پیدا کی گئی ہے۔ "خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا" (سورہ بقرہ:29)۔ اور تمام مخلوق انسان کے لئے مسخر کردی گئی ہے اور انسان کو ان پر تصرف عطا کیا گیا ہے۔ "اَلَمْ تَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ" (سورہ لقمان:20)۔ انسان ہی کو حکومت و سیاست کی قابلیت عطا فرمائی گئی ہے جو کسی مخلوق کو نہیں عطا کی گئی یعنی زمین کا خلیفہ جو تمام مخلوقات، اشیاء ہوں یا جانور پر فوقیت دی۔ "اِنِّيْ جَاعِلٌ فِي الْاَرْضِ خَلِيْفَةً" (سورہ بقرہ:30) اور مکرم بنایا "وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْٓ اٰدَمَ وَحَمَلْنٰهُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ وَفَضَّلْنٰهُمْ عَلٰى كَثِيْرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيْلًا" (سورہ اسریٰ:70) ترجمہ: (اور ہم نے بنی آدم کو عزت بخشی اور اُن کو خشکی اور تری میں سواری عطا کی اور پاکیزہ روزی عنایت کی اور اپنی مخلوقات میں سے بہتوں پر اُن کو فضیلت دی۔) ان تمام خصوصی عنایتوں پر غور و فکر کرنے سے اللہ تعالیٰ کی محبت بڑھتی جاتی ہے۔ (محبت کی مزید تشریح قرب و صدیقیت میں کی گئی ہے)

اللہ جل شانہٗ سے شدید محبت پیدا ہوجانے کا لازمی اثر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سب سے زیادہ محبوب رسول کریم ﷺ سے بھی سب سے زیادہ محبت پیدا ہو۔ نیز رسول ﷺ کو بھی اپنی امت سے بہت محبت تھی۔ امت ہی کی خاطر دنیا کی ہر تکلیف آپ ﷺ نے اپنے لئے گوارا فرمائی۔ (ملاحظہ ہو تمہیدی باب "معلمِ انسانیت") غرض سب سے زیادہ اللہ و رسول ﷺ سے محبت کئے بغیر دین و ایمان میں کوئی رنگ پیدا (نہیں ہوتا وہ رنگ، قرآن مجید میں جس کا نام "صِبْغَةَ اللّٰهِ" (سورہ بقرہ:138) ترجمہ: (ہم نے تو اللہ کا رنگ اختیار کرلیا ہے) اور نہ دین و ایمان میں کوئی لذت پیدا ہوتی ہے۔ "ثلث من كن فيه وجد بهن حلاوة الايمان من كان الله ورسولهٗ احب اليه مما سواهما (الخ)" (متفق علیہ) تین خصلتیں ہیں جن میں یہ ہوں اس نے ایمان کی لذّت پائی ایک یہ کہ اللہ و رسول ﷺ اس کے نزدیک جب تک دنیا و مافیہا سے زیادہ محبوب ہوجائیں۔) بعض لوگوں میں یہ غلط خیال پیدا ہوگیا ہے کہ شریعت الگ ہے اور محبت الگ ہے۔ جو کماحقہٗ دینی بصیرت نہ ہونے کی علامت ہے۔ حالانکہ محبت، شریعت ہی کا ایک ایسا جزو ہے کہ بقولِ اقبال "عشق (محبت) نہ ہو تو شرع و دیں بت کدۂ تصورات" اور حافظ شیرازی کہتے ہیں کہ اگر اللہ و رسول ﷺ کی محبت نہ ہو تو دل مرضِ نفاق میں مبتلا ہوجاتا ہے۔

ہر کہ عاشق وش نباشد در نفاق افتادہ بود

(ماخوذ: رہنمائے فطرت، ص:۱۱۱-۱۱۶)

ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی۔اعظم گڑھ

برادر شبلی محمد جنید

پیدائش اور تعلیم

حاجی محمد جنید[م:۱۲/اپریل ۱۹۳۴ء]سب جج کان پور،اعظم گڑھ کے ایک نامور شخص شیخ حبیب اللہ وکیل کے سب سے چھوٹے بیٹے اور علامہ شبلی نعمانی کے برادر اصغر تھے۔ ۱۸۷۸ء میں موضع بندول ضلع اعظم گڑھ میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی گھریلو تعلیم کے بعد علامہ شبلی کے قائم کردہ مسلم جارج اسکول اعظم گڑھ میں تعلیم حاصل کی اور مڈل پاس کیا۔

علامہ شبلی فروری ۱۸۸۳ء میں جب پروفیسر ہو کر علی گڑھ گئے تو محمد جنید صاحب نیشنل اسکول میں زیر تعلیم تھے، چنانچہ ان کو محمد جنید صاحب کی تعلیم کی فکر لاحق ہوئی اور انہوں نے مولوی محمد سمیع کو ایک میں خط لکھا کہ

> ’’ہاں سب سے ضروری بات بھول گیا۔جنید وغیرہ کی تعلیم کا خیال رہے۔یہ بڑا فرض تم پر ہے۔میرے آنے پر اگر کوئی خاص ترقی معلوم نہیں ہوئی تو نہ تم میرے نہ میں تمہارا۔‘‘(مکاتیب شبلی،۱:۶۵)

یہ بات بہت کم لوگوں کو معلوم ہوگی کہ علامہ شبلی جب علی گڑھ کے بعد حیدرآباد جا کر سررشتہ علوم وفنون کے ناظم ہو گئے تھے،دوری اور مصروفیات کے سبب نیشنل اسکول سے ان کی توجہ ہٹ گئی تو لوگوں نے اس کا نام نیشنل اسکول سے بدل کر جارج پنجم کی نسبت سے جارج اسکول کر دیا تھا۔ ۱۹۱۳ء میں ندوہ سے مستعفی ہونے کے بعد جب علامہ شبلی نے وطن مراجعت کی اور پھر ۱۹۱۴ء میں جس وقت وفات پائی اس وقت بھی نیشنل اسکول جارج پنجم سے منسوب ہو کر مسلم جارج اسکول ہی تھا۔البتہ بعد میں اسکول کی انتظامیہ نے نام بدل کر بانی وموسس علامہ شبلی سے کے نام پر اس کا نام شبلی نیشنل اسکول کر دیا۔

مسلم جارج اسکول کے ایک استاذ فارسی سکنڈ ماسٹر مولوی قاضی عبدالرحمٰن صاحب حیرت اعظم گڑھی تھے،وہ موضع قاضی کی سرائے ضلع اعظم گڑھ کے رہنے والے تھے۔ شہر کے محلہ سیتارام میں ذاتی مکان حیرت منزل تعمیر کرایا تھا اور اس میں رہائش پذیر تھے۔

خانوادۂ شبلی سے ان کے قدیم اور دیرینہ مراسم تھے۔ علامہ شبلی کے چشمہ فیض سے اپنی تشنگی بھی بجھائی تھی۔ادیب وشاعر اور متعدد کتب ورسائل کے مصنف ومولف تھے۔ان کے بعض رسائل کتب خانہ دارالمصنفین شبلی اکیڈمی میں محفوظ ہیں۔اصلاً بچوں کے ادیب وشاعر تھے،چنانچہ بچوں کے لئے انہوں نے متعدد منظوم ومنثور رسالے لکھے ہیں۔علامہ شبلی کا ایک طویل مرثیہ’ماتم شبلی‘ بھی ان کی یادگار ہے۔جو کاظمی پریس جون پور سے شائع ہوا ہے۔ وہ نیشنل اسکول میں محمد جنید(برادر) محمد حامد حسن (پسر)اور محمد عارف (نواسہ) کے سرپرست تھے،اس کام پر بقول قاضی عبدالرحمٰن حیرت انہیں علامہ شبلی نے مامور کیا تھا۔(ماتم شبلی ص ۱۵)

حاجی محمد جنید،شبلی نیشنل اسکول اعظم گڑھ سے تحصیل علم کے بعد اعلیٰ تعلیم کے لئے ایم اے او کالج علی گڑھ گئے۔ان

کے ساتھ ہی ان کے سوتیلے بھائی محمد بھی علی گڑھ گئے۔ علامہ شبلی نے مولوی محمد سمیع کے نام ایک خط میں لکھا ہے کہ "عزیزی محمد یہاں پانچویں کلاس میں داخل ہو جائیں گے۔ جنید وغیرہ نے بھی انگریزی شروع کی ہے۔" (مکاتیب شبلی،ا:۸۷)

پھر ۱۱راپریل ۱۸۹۲ء کو مولوی محمد سمیع کو اطلاع دیتے ہیں کہ "حامد و جنید کا امتحان سالانہ ابھی ختم ہوا، دونوں پاس ہوئے اور دوسرے یعنی سکنڈ میں چڑھا دئے گئے۔ (ایضاً:ا/۹۵)

سب جج کان پور

بی اے پاس کرنے کے بعد قانون کی اعلیٰ تعلیم حاصل کی، غالباً ایل ایل بی پاس کیا تھا۔ بعد ازاں اعظم گڑھ واپس آکر وکالت کا مشغلہ اختیار کیا، کچھ دنوں بعد منصف منتخب ہوئے اور ترقی پاکر کانپور میں سب جج کے عہدہ پر فائز ہوئے۔

مرحوم کم گو اور خاموش طبع تھے۔ نیشنل اسکول کے علاوہ کسی اور طرح کی ان کی ملی و سماجی سرگرمیوں کا ذکر نہیں ملتا ہے۔ ۱۹۱۴ء میں ان کے بڑے بھائی محمد اسحاق وکیل نے جو اعظم گڑھ ایجوکیشن سوسائٹی قائم کی، اس کے ایک رکن اساسی جنید صاحب بھی تھے۔ ابتدا میں وہ اسکول سے کافی دلچسپی لیتے تھے، لیکن ایک بار ان پر فیس رکنیت ادانہ کرنے کا الزام عائد کیا گیا اور فیس ادا کرنے کے لئے ان پر زور ڈالا گیا، چند اراکین نے ان کی حمایت میں دعویٰ کیا کہ چونکہ وہ رکن اساسی ہیں اس لئے فیس نہ ادا کرنے کے مجاز ہیں، لیکن ان کا یہ دعویٰ مخالف گروہ نے تسلیم نہیں کیا اور انہیں مجبور کیا گیا کہ وہ بہر صورت فیس رکنیت ادا کریں۔

انتقال

محمد جنید صاحب جب سب جج ہو کر کان پور چلے گئے تو شبلی نیشنل کالج کی انتظامیہ سے بھی رفتہ رفتہ ان کی دلچسپی کم ہوتی گئی اور پھر وہ بیمار ہوئے۔ برسوں علاج و معالجہ جاری رہا مگر اس سے جاں بر نہ ہو سکے۔ علاج کے لئے دہلی میں دو ماہ مقیم رہے اور ۱۲راپریل ۱۹۳۳ء کو دہلی ہی میں انتقال کیا۔ جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی کے قبرستان میں سپرد خاک ہوئے۔ ۱۳راپریل ۱۹۳۳ء کے انقلاب دہلی میں ان کی وفات کی خبر ان الفاظ میں شائع ہوئی ہے:

> "۱۲راپریل کو حضرت مولانا شبلی رحمۃ اللہ علیہ کے بھائی مولانا محمد جنید کا دہلی میں انتقال ہوگیا۔ مرحوم دو ماہ سے بہ سلسلہ علاج دہلی میں مقیم تھے۔ مرحوم کے اعزہ بھی دہلی تشریف لائے ہوئے تھے۔ جامعہ ملیہ کے اساتذہ اور طلبہ نے شب ہی میں تجہیز و تکفین کے انتظامات کئے۔ ہمیں اس حادثہ فاجعہ پر مرحوم کے متعلقین کے ساتھ دلی ہمدردی ہے۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کو جوار رحمت میں جگہ دے۔ اور متعلقین کو صبر جمیل عطا فرمائے۔"
>
> (روزنامہ انقلاب دہلی، ۱۳راپریل ۱۹۳۳ء)

جنید صاحب کی شادی گاؤں میں بلکہ گھرانے میں شیخ مجیب اللہ کی پوتی اور شیخ عثمان احمد کی بیٹی سے ہوئی تھی۔ ان کے ایک بیٹے محمد انور تھے۔ انہوں نے ہجرت کر کے مملکت خداداد کی راہ لی۔ ان کے مزید حالات معلوم نہ ہو سکے۔

جنید صاحب کے بڑے بھائی محمد اسحاق وکیل کی یکایک وفات پر علامہ شبلی نے نہایت دلبرداشتہ ہو کر اردو میں جو پر درد مرثیہ کہا ہے، اس میں اپنے چھوٹے بھائی محمد جنید کے لئے یہ دعا مانگی ہے:

اے خدا شبلی دل خستہ بایں موئے سپید
لے کے آیا ہے ترے در گہہ عالی میں امید
مرنے والے کو نجات ابدی کی ہو نوید
خوش وخرم رہے چھوٹا یہ مرا بھائی جنید

ڈاکٹر محمد شاهد صدیقی۔(علیگ)

ٹیپو سلطان کی 225ویں یوم شہادت کے موقع پر خصوصی پیش کش

ٹیپو سلطان: ایک روشن خیال حکمراں

یہ مسلمہ حقیقت ہے کہ سلطان حیدر علی اور ٹیپو سلطان ہندوستان میں برطانوی نوآبادیاتی نظام کے لیے سب سے بڑا خطرہ تھے، جنہوں نے تاجران فرنگ کو ملک بدر کرنے کا اپنی زندگی کا مقصد بنا لیا تھا۔ چنانچہ عشق و جنگ میں سب جائز کے مماثل فرنگیوں نے انہیں میدان جنگ میں حرص و طمع کے لالچی ہندوستانیوں کی اعانت سے گھیرنے کے علاوہ ان کے خلاف بے بنیاد افسانے گھڑ کر ان کی کردار کشی کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ خصوصاً ایسٹ انڈیا کمپنی سے منسلک انگریز مصنفین ولیم کرک پیٹرک (William Kirk patrick) اور کرنل مارک ولکس (Mark Wilks) اور ایچ۔ ایچ۔ ڈوڈویل (H.H.Dodwell) نے اپنے آقاؤں کے دیے گئے حدف کو بخوبی پورا کیا جو ان کی 'ڈیوائیڈ اینڈ رول' کی پالیسی کا اہم حصہ تھا، کیونکہ اس کے بغیر انگریز برصغیر میں ایک دن بھی راج نہیں کر سکتے تھے۔ تاریخ نویسی کے اس نئے رجحان نے گہرے اثرات مرتسم کیے جس کا نتیجہ آج سب کے سامنے ہے۔

ولیم کرک پیٹرک کو سقوطِ سری رنگ پٹن کے بعد شیر میسور ٹیپو سلطان کے دستاویزات کا معائنہ اور ترجمہ کرنے کی ذمہ داری تفویض کی گئی۔

ولیم کرک پیٹرک کو سقوطِ سری رنگ پٹن کے بعد شیر میسور ٹیپو سلطان کے دستاویزات کا معائنہ اور ترجمہ کرنے کی ذمہ داری تفویض کی گئی۔ جس نے ان کے خطوط اور رقعات کو جمع کر کے 'سلیکٹ لیٹرز آف ٹیپو' کتاب مرتب کی۔

پیٹرک ٹیپو سلطان کے تئیں دل میں دبی ہوئی عداوت کے مدنظر دیباچہ میں یوں رقم طراز ہے کہ:

> ''ان خطوط کی روشنی سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان کے لکھنے والا ٹیپو سلطان ایک بے رحم اور بے لگام دشمن، ایک عدم رواداری متعصب یا ایک غضبناک جنونی؛ ظالم اور بے انصاف حکمراں، ایک شوریدہ سر ظالم، ایک متشدد مذاکرات، ایک غیر سنجیدہ و غیر متوقع جدت پسند اور ایک بساطی و خوردہ فروش تاجر تھے۔''

کرنل مارک ولکس نے بھی پیٹرک کی تقلید کرتے ہوئے ہسٹوریکل اسکیچز آف دی ساؤتھ انڈیا (Historical sketches of the South India) میں ٹیپو سلطان کو ایک 'متعصب' قرار دیا ہے جس نے جبراً لوگوں کو مسلمان بنایا، اجتماعی ختنہ کروایا، مندروں کو منہدم کیا اور ان کی جائیدادیں ضبط کیں۔'

اگر ان مکر و فریب فرنگیوں کے بقول ٹیپو ایک بے رحم، سخت گیر اور ہندو کش حکمراں ہوتا تو میسور میں آج نظر

آرہے قدیم ہندو مندورں کا وجود تک نہیں ہوتا۔ ان عیار انگریز مصنفین کی کتابیں کسی بھی صورت میں قابل اعتماد نہیں ہیں جنہیں تاریخی کتابیں کہنے کے بجائے فکشن کہنا بے جا نہیں ہوگا۔ان تصانیف کا واحد مقصد ٹیپو سلطان کی شبیہ کو مسخ کر کے ہندوستان کی ہم آہنگی، رواداری اور آپسی رشتوں کو تارتار کرنا۔

درحقیقت ٹیپو سلطان ایک کشادہ ذہن اور عصبیت سے پاک فرماروا ں تھے۔ان کے دور اقتدار میں ہندوؤں کو پوجا پاٹ کی مکمل آزادی تھی، بت تراشنے کے لیے رقمیں عطا کی جاتیں اور ایک موقع پر تو مندر تعمیر کرنے کا بھی حکم دیا۔ان کے قلعہ کے آس پاس واقع نرسمہا اور گنگا دھر یسورا منادر ان کی فراخدلی اور رواداری کی شہادت کے لیے کافی ہیں۔ یہاں تک کہ مندر سری رنگا تھ قلعہ سری رنگ پٹن سے محض کچھ ہی دوری پر تھا، لیکن انہیں مندروں کی گھنٹیوں اور پجاریوں کے بھجن سے کبھی خلل محسوس نہیں ہوا۔ان کی روشن خیالی کی اس سے بڑی مثال کیا ہوگی کہ انہوں نے ہندوؤں کو اعلیٰ منصب عطا کیے۔ ان کا میر آصف (مالیات اور مال گزاری) پنڈت پورنیا خزانچی کرشنا راؤ، شیماء آئینگر وزیر(ڈاک و پولیس)، اس کا بھائی رنگا آئینگر بھی ایک افسر تھا، مول چند وسوجان رائے مغل دربار میں ان کا چیف ایجنٹ، خاص پیش کار سبا راؤ، منشی نرسیا سرینواس راؤ اور خصوصی معتمد اپا جی رام تھے۔ کورگ کا فوج دار نا گپایہ، کوئمبتور اور پالگھاٹ کے ریونیو آفیسر بھی برہمن تھے۔ ٹیپو کی بے قاعدہ گھوڑسوار فوج کا سربراہ ہری سنگھ تھا۔ راما راؤ اور سیوا جی کے ہاتھوں میں باقاعدہ گھوڑسوار دستے کی کمان تھی۔

اس حقیقت سے بھی کوئی انکار نہیں کرسکتا ہے کہ ٹیپو سلطان نے کورگ میں بعض سخت اقدام اٹھائے، لیکن اس کی وجہ مذہب نہیں بلکہ سیاسی تھی، کیونکہ وہ بار بار سرکشی کے مرتکب ہورہے تھے اور ٹیپو کے دشمنوں کے ہاتھوں میں کھیل رہے تھے۔ اسی طرح جب انگریزوں کی شہ پر کیتھولک مشنری نے سلطنت خداداد کے امن وامان کو خراب کرنے کی کوشش کی تو ٹیپو نے ان کی سرکوبی کے لیے بھی سخت اقدامات کیے۔

بابائے قوم مہاتما گاندھی شیر میسور ٹیپو سلطان کی مذہبی رواداری کو اپنے اخبار 'ینگ انڈیا' کے 23/جنوری 1930ء کے شمارے میں یوں خراج تحسین پیش کرتے ہیں کہ:

> ''غیر ملکی مؤرخین میسور کے فتح علی ٹیپو سلطان کو ایک سخت گیر جنونی کے طور پر پیش کرتے ہیں، جس نے اپنی ہندو رعایا پر ظلم ڈھائے اور انہیں زبردستی اسلام مذہب قبول کرنے پر مجبور کیا۔ جبکہ اس کے ہندو رعایا کے ساتھ تعلقات بالکل خوشگوار نوعیت کے تھے۔ میسور ریاست کے محکمہ آثار قدیمہ کے پاس تیس سے زیادہ خطوط موجود ہیں جو ٹیپو نے شرنگیری کے شنکر آچاریہ کو لکھے تھے جو کنڑ زبان میں ہیں۔ یقینی طور پر ٹیپو کل مختار بادشاہ تھا، لیکن اس کے باوجود اس نے ہندو تاجروں کو عربی رسم الخط میں اپنا حساب کتاب رکھنے پر مجبور نہ کیا۔ شنکر آچاریہ کو لکھے گئے خطوط میں ایک خط میں ٹیپو نے ان سے درخواست کی کہ وہ پوری کائنات کی بھلائی اور خوشحالی کے لیے دُعا کریں اور ان سے یہ بھی کہتے ہیں کہ آپ جگت گرو ہیں جس ملک میں آپ جیسی مقدس ہستی موجود ہو، وہاں خدا کی رحمت ہوتی ہے آپ کو ایک غیر ملک میں اتنے زیادہ عرصے رہنے کی

کیا ضرورت ہے ،جلد فارغ ہوکر میسور واپس آجایئے۔ٹیپو نے ہندو منادر کو خاص طور پر سری وینک رمنا سری نواس اور سری رنگا ناتھ کی زمینیں اور دیگر دوسری چیزوں کی شکل میں بیش قیمتی تحفہ عطا کیے۔کچھ مندر اس کے محلات کے آس پاس واقع تھے جواب بھی اس کی آزاد خیالی ،فراخدلی، سخاوت اور رواداری کی شہادت دیتے ہیں۔ وطن اور قوم کے شہیدوں میں اس حد تک بلند مرتبہ اور کوئی دکھائی نہیں دیتا جو آزادی کی خاطر شہید ہوگیا۔اسے اپنی عبادت میں یکساں خدا کی پوجا کرنے والے ہندو مندروں کی گھنٹیوں کی آوازوں سے کبھی خلل محسوس نہیں ہوا وہ وطن کی بازیابی کے لیے لڑتا ہوا شہید ہوگیا اور دشمن (ٹیپو) کی جسد خاکی ان انجان فوجیوں کی نعشوں میں پائی گئی تو دیکھا گیا کہ موت کے بعد بھی اس کے ہاتھ میں تلوار تھی۔"

بہرکیف تاریخ کو اسی عہد کے زمان ومکان میں دیکھنے کی ضرورت ہوتی ہے،لہٰذا ٹیپو سلطان کے کردار اور اس کے نظریات کو اٹھارہویں صدی کے ضمن میں سمجھنا چاہیے، جب ہر جانب شہنشاہیت کا بول بالا تھا۔

گیان پیٹھ ایوارڈ یافتہ گریش کرناڈ ٹیپو سلطان کو یوں خراج عقیدت پیش کرتے ہیں کہ:

"ٹیپو سلطان مسلمان ہونے کے بجائے ہندو ہوتے تو انہیں بھی شیواجی جیسا اعزاز ملتا گویا شیر میسور کے ساتھ صرف مذہب کی بنیاد پر سوتیلا برتاؤ روا رکھا گیا۔"

☆☆☆

جہانگیر قیاؔس۔حیدرآباد

قطعہ

ممتاز قلمکار ڈاکٹر م۔ق۔سلیم کی یاد میں

دنیائے رنگ وبو سے سلیم آپ کیا گئے
علم و ادب کی محفلوں پہ سوگ چھا گیا
لگتا ہے یوں قیاؔس کو جانے سے آپ کے
گل ہو گیا چراغ اجالا چلا گیا

غزل

بات حیرت کی ہے کیا کیا سمجھ لیتے ہیں لوگ
"ہر چمکتی چیز کو سونا سمجھ لیتے ہیں لوگ"

عشق کے انجام سے واقف نہیں ہوتا کوئی
عشق کے آغاز کو اچھا سمجھ لیتے ہیں لوگ

کشتی کو طوفان سے رب نے بچایا ہے مگر
ناخدا ہی کو خدا اپنا سمجھ لیتے ہیں لوگ

ٹوٹ کر جب آسماں سے گرتا ہے تارا کوئی
کوئی آفت کا اِسے آنا سمجھ لیتے ہیں لوگ

دل میں اُس کے کیا ہے یہ ہرگز سمجھ سکتے نہیں
پیار سے ملتا ہے جو اپنا سمجھ لیتے ہیں لوگ

گر ہجوم جلوۂ اصنام ہو دل میں قیاؔس
دل کو بھی اپنے صنم خانہ سمجھ لیتے ہیں لوگ

ایس۔ایم۔ عارف حسین۔ اعزازی خادم تعلیمات وشریک معتمد اعلیٰ انجمن، مشیرآباد، حیدرآباد

عید کی حقیقی خوشی دید (نظر) ہی میں ہے

عید کے لفظی معنی لوٹ کر آنے کے ہیں جس میں انسان کو خوشی وفرحت محسوس ہوتی ہے جو خالق کل کی دین ہے۔

دین اسلام میں دو عیدیں یعنی عیدالفطر (یکم شوال) اور عیدالاضحیٰ (دس ذوالحجہ) کو اہمیت حاصل ہے۔ جمعہ کے دن کو بھی عیدالمومنین کہا گیا ہے، اس کے علاوہ تاریخ اسلام میں جن جن ایام میں انسانیت کی بھلائی کے لیے جب جب اللہ کی کتابوں اور انبیاء کا نزول ہوا وہ ایام بھی عید سے کم نہیں۔

اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق جب بندے کوئی بھی عبادت کرتے ہیں بالخصوص ماہ رمضان المبارک میں ایک مہینہ روزے رکھتے ہیں اسکی تکمیل پر اللہ تعالیٰ اپنے ''بندوں کی مغفرت'' کا اعلان کرتے ہیں جو حقیقت میں عید کا دن ہوتا ہے۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل میں ابراہیم علیہ لسلام نے اپنے لخت جگر اسماعیل علیہ لسلام کو قربان کیا جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندہ سے محبت کے نتیجہ میں ایک دنبہ کو بھیج کر جانور کی قربانی میں تبدیل کیا جو اللہ تعالیٰ کی ''ستر ماؤں کی محبت'' کرنیوالی صفت کا انکشاف ہے۔لہٰذا یہ ''الٰہی عمل'' کی ''دید'' (نظر) ابراہیم علیہا لسلام کے لیے ''عید کے دن'' سے کم نہیں، اسی کی ''یاد اور خوشی'' میں اللہ تعالیٰ نے استطاعت رکھنے والے مسلمانوں کو ہر سال 10 / ذوالحجہ کو حلال جانور کو قربان کرنیکی تلقین کی اور اسکے ''ہر بال اور خون کے قطرہ پر ''اجر'' دینے کا اعلان کیا جو ایک ''خوشی''، یعنی ''عید'' سے کم نہیں۔

''عید کی خوشی'' حقیقت میں اس کی ''دید'' یعنی ''نظر'' میں چھپی ہوتی ہے، یہاں عید کے موقع پر خاصکر ایک ماں باپ سے انکے بیٹے۔ بیٹیوں کی دوری کے عملی احساس کا تحریری انکشاف مقصود ہے، اس احساس کو وہی ماں باپ لفظوں میں ڈھال سکتے ہیں اور انہی کی آنکھوں سے بہتے بیساختہ آنسوں گواہی دیتے ہیں جنکے بیٹے معاش کی تلاش میں اور بیٹیاں شادی کے بعد گھر سے ہزاروں میل دور عید گذارتے ہیں، عید کے دن جب دیگر رشتہ دار و دوست احباب گلے لپٹ کر یا گردن خم کر کے ملتے ہوئے عید کی خوشی کا اظہار کرتے ہیں تب ان ماں باپ کو اپنی اولاد یاد آتی ہے اور نتیجہ میں انکا ذہن اپنی اولاد کی تلاش میں کھو جاتا ہے جس کا عین ثبوت انکی آنکھوں سے بہتے بے ساختہ آنسوں ہوتے ہیں جنکا چھپانا ناممکن ہے۔یقیناً بیٹے۔ بیٹیاں بھی ضرور اس کیفیت سے گذرتے ہوں گے۔

عید آئی تم نہ آئے کیا مزہ ہے عید کا
عید ہی تو نام ہے اک دوسرے کی دید کا

یہاں ان ماں باپ اور بیٹے۔ بیٹیوں کے احساس کو لفظوں میں بیان کرنا ناممکن ہے جن کے ماں باپ یا بیٹے بیٹیاں اس دنیائے فانی سے کوچ کر گئے ہیں، یقیناً ان افراد کا عید کی خوشی محسوس کرنا واقعی ناممکن ہے بلکہ یوں کہا جائے تو بیجا نہ ہوگا کہ مرحومین کا غم عید کی خوشی پر مکمل غالب آجاتا ہے۔ اللہ دنیا کے تمام مرحومین کے متعلقین کو ذہنی سکون عطا کرے، آمین۔

آنکھ تم کو ہی جب نہ پائے گی
عید کیسے منائی جائیگی

مذکورہ بالا امور یعنی ایک طرف ''فاصلہ کی عارضی دوری'' اور دوسری جانب ''موت کی دائمی دوری'' کی وجہ سے عید کی خوشی سے محرومی کے احساس کو تحریر میں ضبط کرنا تو ناممکن ہے پر ایک حقیر کوشش ہے جو یقیناً ہر قاری کو اس احساس میں غرق کردے گی۔

یاسمین اسلام۔کولکاتہ،قومی صدر۔ویمن انڈیا موؤمنٹ

عالمی یوم خواتین
اور
ہندوستان میں خواتین کی موجودہ حالت

عالمی یوم خواتین ہر سال 8 مارچ کو منایا جاتا ہے۔ عالمی یوم خواتین 2024 کی مہم کا موضوع شمولیت کی ترغیب InspireInclusion# ہے اور سب سے اہم تھیم "خواتین میں سرمایہ کاری اور پیش رفت کو تیز کریں" رکھی گئی ہے۔ یہ ایک جامع معاشرے کی تشکیل اور خواتین کو بااختیار بنانے میں سرمایہ کاری کی اہمیت پر زور دیتا ہے۔ یہ موضوع اقوام متحدہ کے 68ویں کمیشن آن دی سٹیٹس آف ویمن (68CSW) کے ترجیحی موضوع کے ساتھ ہم آہنگ ہے۔ موضوع اس بات کو تسلیم کرتا ہے کہ ترقی کے باوجود، خواتین کو معیشت میں مساوی شرکت کے حصول کے لیے اہم رکاوٹوں کا سامنا ہے اور خواتین اور لڑکیوں کو اپنی صلاحیتوں کو بڑھانے اور ان کی سیکھنے، کمانے اور قیادت کرنے کی صلاحیت کو مضبوط کرنے کے لیے مساوی مواقع کو یقینی بنانے پر زور دیا گیا ہے۔ صنفی برابری اور کام کی جگہ میں شمولیت بھی اس میں شامل ہے۔ جیسا کہ ہم جانتے ہیں پوری تاریخ میں، بہت سی ایسی خواتین رہی ہیں جنہوں نے دنیا کو کافی حد تک متاثر کیا ہے۔ خواتین کیووٹ کے حق کیلئے جدوجہد کرنے والی 'سفراگیٹ' سے لیکر ریڈیو ایکٹیویٹی کی سائنس کی بنیاد رکھنے والے میری کیوری تک اور روزالینڈ فرینکلن جس نے ڈی این اے کی ساخت دریافت کی، اس سب خواتین نے سماجی، ثقافتی، اقتصادی اور سیاسی پیش رفتوں کو مسلسل متاثر کیا ہے۔ ایک ایسی دنیا میں جو بدقسمتی سے اب بھی صنفی تعصب اور امتیازی سلوک سے دوچار ہے، ایسی کامیابیوں کو سراہنا پہلے سے کہیں زیادہ ضروری ہے۔ دنیا بھر میں ہر سال 8 مارچ کو عالمی یوم خواتین منایا جاتا ہے۔ مختلف خطوں میں یوم خواتین منانے کا مقصد خواتین کے تئیں تعریف، محبت اور احترام کے جشن سے لے کر خواتین کی سیاسی، سماجی اور معاشی کامیابیوں کو یاد کرنا ہے۔

یوم خواتین کے لیے اقوام متحدہ کے موضوعات امید بھرے انداز میں عالمی سطح پر خواتین کی جدوجہد کے بارے میں سماجی اور سیاسی بیداری کو وسیع کرنے پر زور دیتے ہیں۔ ایک صدی سے زیادہ کی تاریخ اور تبدیلی کے ساتھ، خواتین کا پہلا عالمی یوم خواتین (Internationl Womens Day) مارچ 1911 میں منعقد ہوا۔ عالمی یوم خواتین کوئی ملک، گروپ یا مخصوص تنظیم نہیں ہے۔ یہ

اجتماعی عالمی سرگرمی اور جشن کا دن ہے جس کا تعلق ان تمام لوگوں سے ہے جو خواتین کی مساوات کے لیے پرعزم ہیں۔

تنظیمی یا گروہی بنیادوں پر، خواتین اور لڑکیوں کی ضروریات، دلچسپیوں اور خواہشات کو قابل قدر اور شمولیت کو یقینی بنانے کے بہت سے طریقے ہیں۔ تنظیمیں اور گروپ ان شعبوں میں کارروائی کے ذریعے #InspireInclusion کرسکتے ہیں جیسے:

خواتین کو معاشی طور پر بااختیار بنانا، خواتین کی بھرتی، ترقی اور ان کی صلاحیتوں کو فروغ دینا، قیادت، فیصلہ سازی، کاروبار اور STEM میں خواتین اور لڑکیوں کی مدد کرنا، ڈیزائننگ اور بنیادی ڈھانچے کی تعمیر میں خواتین اور لڑکیوں کی ضروریات کو پورا کرنا، خواتین اور لڑکیوں کو ان کی صحت کے بارے میں باخبر فیصلے کرنے میں مدد کرنا، خواتین اور لڑکیوں کو پائیدار زراعت اور خوراک کی حفاظت میں شامل کرنا، خواتین اور لڑکیوں کو معیاری تعلیم اور تربیت تک رسائی فراہم کرنا، کھیلوں میں خواتین اور لڑکیوں کی شرکت اور کامیابی کو بڑھانا، خواتین اور لڑکیوں کی تخلیقی صلاحیت اور فنکارانہ صلاحیتوں کو فروغ دینا، خواتین اور لڑکیوں کی ترقی کی حمایت کرنے والے مزید شعبوں پر کام کرنا وغیرہ۔

ہمارے ملک ہندوستان میں انسانی وسائل کی فراوانی ہے۔ یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ جو عورت اس وسائل کا نصف ہے وہ کسی بھی جہت سے کمزور نہیں ہے۔ چاند اور مریخ پر پہنچنے والے راکٹ لانچوں پر خواتین سائنسدانوں کے ساتھ ساتھ دیہاڑی پر کام کرنے والی مزدور خواتین تک بھی ملک کی تعمیر میں اپنا کردار ادا کر رہی ہیں۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ خواتین کے ساتھ خاندان، سماج، کام کی جگہ، عوامی مقامات پر امتیازی سلوک کیا جا رہا ہے۔ خواتین کو اپنی جنس کی وجہ سے امتیازی سلوک، تشدد، جنسی ہراسانی، مذہبی ظلم و ستم، گھریلو تشدد کا سامنا ہے۔

سال 2020 کی، بی بی سی کی ایک رپورٹ کے مطابق، تین میں سے ایک خاتون کو صنفی بنیاد پر تشدد کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ اس کے علاوہ خواتین کو بالواسطہ طور پر معاشی بدحالی، مہنگائی اور بے روزگاری کا شکار ہونا پڑتا ہے۔ سیاسی طور پر بھی خواتین کو امتیازی سلوک کا سامنا کرنا پڑتا ہے، ٹکٹوں کی تقسیم سے لے کر پارلیمنٹ میں نشستیں حاصل کرنے تک اور اعلیٰ وزارت یا وزیراعظم کے عہدے حاصل کرنے میں بھی خواتین ناکام رہتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ آج صرف پندرہ فیصد خواتین ہی پارلیمنٹ میں جا سکتی ہیں۔ خواتین کیلئے ریزرویشن پارلیمنٹ میں منظور ہونے کے باوجود اس پر عمل درآمد کب ہوگا اس کی کوئی فکر یا گیارنٹی نہیں ہے۔ اس کے علاوہ اس میں کوئی شک نہیں کہ انٹرنل ریزرویشن کے بغیر خواتین ریزرویشن ایکٹ غریبوں کے لیے ایک سراب ہی ثابت ہوگا۔

ہمارے ملک میں خواتین کی موجودہ صورتحال یہ ہے کہ جن پہلوانوں نے بین الاقوامی سطح پر ملک کا وقار بلند کیا وہ انصاف کے مطالبے کو لیکر مہینوں تک احتجاج کرتے رہے اور روتے رہے اور انہیں سڑکوں پر گھسیٹا گیا اور گرفتار کر لیا گیا۔ ایوارڈ واپس کرنے کے احتجاج کے باوجود ملزم برج بھوشن کو رکن پارلیمنٹ کے عہدے سے برخاست نہیں کیا گیا۔ بلقیس بانو کیس میں سپریم کورٹ نے مجرم کو عمر قید کی سزا سنائی۔ عالمی سطح پر مخالفت ہونے کے باوجود ملک کی

سرکاری کرسی پر بیٹھنے والوں کو کوئی شرمندگی محسوس نہیں ہوئی۔ وسیع مخالفت، متاثرہ کی مسلسل محنت، سماجی کارکنوں کی جانب سے جسٹس بنچ میں درج شکایات کے بعد آخر کار مجرموں کا دوبارہ جیل جانا حیران کن تھا۔لیکن مجرم ایک دو ہفتوں میں طویل پیرول ملنے کے بعد جیل سے باہر ہیں۔آج تک وزیر اعظم نے منی پور کا دورہ نہیں کیا جہاں خواتین کی برہنہ جلوس عالمی سرخیاں بنیں۔میرا دل یہ سوچ کر جھنجھلاتا ہے کہ جب عالمی سطح پر خبریں پہنچنے کے باجود انہیں انصاف نہیں ملا ہے تو ان کے نزدیک خواتین کی کیا حیثیت ہوسکتی ہے۔اناؤ، ہاتھرس کے واقعات یہ ظاہر کرتے ہیں کہ اگر ملزم اعلیٰ ذات کا ہے اور متاثرہ نچلی ذات کا ہے تو متاثرہ کو زیادہ سخت حالات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔فرقہ وارانہ فاشسٹ سوچ رکھنے والے سیاست دان عصمت دری اور قتل کو جنگ کے ہتھیار کے طور پر استعمال کرتے ہیں ملزمان کی حمایت کرتے ہیں اور خواتین کو مارتے پیٹتے ہیں۔یہ ہم نے کٹھوعہ میں بھی دیکھا ہے۔ایسے سیاستدانوں کی وجہ سے اوسطاً ہر 15 منٹ میں ایک عصمت دری رپورٹ ہوتی ہے۔داخلی امور کے وزیر مملکت اجے کمار مشرا نے راجیہ سبھا میں بتایا کہ 2021-2019 میں 13.13 لاکھ خواتین لاپتہ ہوئی ہیں۔خواتین مخالف مقدمات میں فی گھنٹہ 51 ایف آئی آر درج کی جاتی ہیں۔

خواتین کے خلاف جرائم میں عصمت دری، عصمت دری اور قتل، جہیز ہراسانی، تیزاب پھینکنا، خودکشی پر اکسانا، اغوا، جبری شادی، انسانی اسمگلنگ، آن لائن ہراساں کرنا وغیرہ شامل ہیں۔نیشنل کرائم ریکارڈ بیورو کے مطابق سال 2022 میں ہندوستان میں ہر روز اوسطا تقریبا 90 عصمت دری ہوتی ہیں۔اس سال عصمت دری کے 31,156 واقعات درج کئے گئے۔راجستھان، اتر پردیش اور مدھیہ پردیش جیسے ریاستوں میں سب سے زیادہ عصمت دری کے واقعات درج کئے گئے۔آپ جانتے ہیں کہ خواتین جب شکایت لے کر پولیس اسٹیشن جاتی ہیں تو ان کے ساتھ کیسا سلوک کیا جاتا ہے۔اس سے ڈر کر کئی خواتین رپورٹ ہی نہیں لکھواتی ہیں۔تعلیم میں سب سے ترقی یافتہ ریاست کیرالہ میں میڈیکل کی طالبہ کی جہیز کے لیے خودکشی کرنے کے اس واقعے کے بارے میں ہم سب جانتے ہیں۔یہ کوئی راز کی بات نہیں ہے کیونکہ یہ تمام ریاستوں میں بڑے پیمانے پر ہو رہا ہے۔جعلی مذہبی رہنماؤں پر کوئی سخت قوانین لاگو نہیں ہوتے جو خواتین کے ذہنوں میں جہالت کے بیج بوتے ہیں اور ان کا جنسی اور مالی استحصال کرتے ہیں۔جب وہ جیلوں سے باہر آتے ہیں تو ان کا استقبال پھولوں کے ہار پہنا کر کیا جاتا ہے۔ہمارے ملک میں فرقہ پرستی، نسلی نفرت، تعصب، اقربا پروری، اجتماعی قتل، نفرت انگیز تقاریر وغیرہ سنگھ پریوار کی خواتین مخالف پیشکش ہیں۔کرپشن، نجکاری، انصاف کی راہ میں رکاوٹ، فرضی انکاؤنٹرس، کالے قوانین، عوام دشمن پالیسیاں وغیرہ خواتین کے خلاف حکومتی سرپرستی میں ہونے والے مظالم ہیں۔

سنگھ پریوار کی گرفت میں مین اسٹریم میڈیا خواتین کی خبریں ان کے نظریے کے مطابق نشر کرتا ہے۔میڈیا ووٹ حاصل کرنے کے لیے- اقتدار بچانے کے لیے- مذہب اور ذات پات کی بنیاد پر خبریں تقسیم کر کے کسی بھی حد تک گرنے کو تیار ہے۔

خواتین قدیم زمانے سے ہندوستان کی ثقافت اور معاشرے کا ایک لازمی حصہ رہی ہیں۔ تاہم، ہندوستان میں خواتین کی حیثیت کئی سالوں سے بحث اور تشویش کا موضوع رہی ہے۔ حالیہ برسوں میں ہونے والی پیش رفت کے باوجود، ہندوستان میں خواتین کو آج بھی بہت سے چیلنجز درپیش ہیں۔ حالیہ برسوں میں، خواتین کو بااختیار بنانے کی ہندوستان کی کوششوں میں بہت سی مثبت پیش رفت ہوئی ہے۔ حکومت نے کئی پروگراموں اور پالیسیوں کو نافذ کیا ہے جن کا مقصد خواتین کی صحت، تعلیم اور معاشی مواقع کو بہتر بنانا ہے۔

افرادی قوت میں حصہ لینے والی خواتین کی تعداد میں نمایاں اضافہ ہوا ہے اور خواتین نے سیاست، کاروبار اور تفریح سمیت مختلف شعبوں میں اعلیٰ مقام حاصل کیا ہے۔ ان کامیابیوں کے باوجود، ہندوستان میں خواتین کو اب بھی اہم چیلنجز کا سامنا ہے۔ صنفی امتیاز، خواتین کے خلاف تشدد اور غیر مساوی تنخواہیں بڑے مسائل ہیں۔ مادہ جنین اور نوزائیدہ قتل، خاص طور پر ایسا دیہی علاقوں میں ہوتا ہے جو کہ ایک اہم تشویش ہے۔ خواتین کی حفاظت اور سلامتی بھی ایک اہم مسئلہ ہے، ہر سال جنسی طور پر ہراساں کرنے اور حملہ کرنے کے بہت سے واقعات رپورٹ ہوتے ہیں۔

ہندوستان میں خواتین کو صنفی مساوات کو فروغ دینے اور ان کے مفادات کے تحفظ کے لیے کئی سالوں سے مختلف قانونی حقوق عطا کیے گئے ہیں۔ برابری کا حق، تعلیم، جائیداد، شادی اور طلاق، صحت، کام، مساوی تنخواہ، گھریلو تشدد کے خلاف اور جنسی ہراسانی کے خلاف اہم قانونی حقوق ہیں جو ہندوستان میں خواتین کو حاصل ہیں۔ ان چیلنجوں سے نمٹنے اور ہندوستان میں خواتین کی حالت کو بہتر بنانے کے لیے، سماج کے تمام شعبوں سے مل کر کوشش کرنے کی ضرورت ہے۔ حکومت کو خواتین کی صحت، تعلیم اور معاشی بااختیار بنانے کی پالیسیوں پر عمل درآمد جاری رکھنے کی ضرورت ہے۔ سماج کے تمام سطحوں پر صنفی حساسیت اور تعلیم پر زیادہ توجہ دینے کی ضرورت ہے۔

خواتین کے بارے میں مثبت پیغامات کو فروغ دینے اور صنفی دقیانوسی تصورات کے خلاف لڑنے میں میڈیا بھی اہم کردار ادا کرسکتا ہے۔ ہندوستان میں خواتین کی حالت میں نمایاں بہتری لانے کیلئے بہت طویل سفر طے کرنا ہے۔ خواتین کے لیے ایک منصفانہ معاشرے کے لیے کام جاری رکھا جائے۔ ہندوستان میں خواتین کو درپیش چیلنجوں سے نمٹنے اور صنفی مساوات کو فروغ دیکر، ہم اس بات کو یقینی بنا سکتے ہیں کہ خواتین زندگی کے تمام پہلوؤں میں پوری طرح حصہ لے سکیں اور ملک کی ترقی میں اپنا حصہ ڈال سکیں۔ خواتین کو بااختیار بنانے کا مطلب ہے کہ انہیں زندگی کے تمام پہلوؤں میں مکمل اور یکساں طور پر حصہ لینے کے لیے وسائل اور مواقع فراہم کیے جائیں۔

☆☆☆

علی شاھد دلکش۔کوچ بہار گورنمنٹ انجینئرنگ کالج،مغربی بنگال

’بساط فن‘ کے آئینے میں نسیم اشک

نسیم اشک کا شمار نئی نسل کے نمائندہ قلمکاروں میں ہوتا ہے۔ یہ شہر کلکتہ سے تقریباً 36 کیلومیٹر بعید ضلع شمالی چوبیس پرگنہ کے جگتدل میں رہ کر بڑی خاموشی سے اردو زبان و ادب کی خدمت کر رہے ہیں۔ درس و تدریس سے وابستہ ہیں۔ بڑی جانفشانی سے طالب علموں کی ذہن سازی میں منہمک رہتے ہیں۔ نسیم اشک نے تخلیقی اور تنقیدی دونوں میدانِ ادب میں اپنے جواہر دکھائے ہیں۔ ان کے مضامین مسلسل مؤقر اخبارات، اردو ویب پورٹل اور معیاری جریدے میں دھڑلے سے شائع ہوتے رہتے ہیں۔ انھوں نے اپنے خاص طرزِ تحریر سے اپنی ایک منفرد شناخت قائم کی ہے۔ نثری نظموں کا مجموعہ ’دل کا موسم‘، ان کی اولین کتاب ہے جو دراصل ان کی تخلیقی صلاحیتوں کا اشاریہ ہے۔

’بساط فن‘ ان کی دوسری تصنیفی کاوش ہے۔ ظاہری طور پر یہ کتاب اشک کے اُن 22 نثری مضامین کا مجموعہ ہے، جنہیں پرنٹ میڈیا نیز سوشل میڈیا کے توسط قارئین کی دہلیزِ بصارت تک پہنچنے کے بعد پہلے ہی داد حاصل ہو چکی ہے۔ ’بساط فن‘ کے بیشتر مضامین دبستان بنگالہ کے معتبر ادبی سپہ سالاروں کی ادبی کاربرآریوں کے تعلق سے ہیں۔ اختصاصی طور پر نسیم اشک بغیر کسی طمع و مصلحت اور لابی بازی کے زمین سے جڑ کر ادبی خدمات کر رہے ہیں۔ لہٰذا زمینی سطح پر رہ کر جس کسی نے بھی قابل ذکر ادبی خدمات انجام دی، مگر نظر انداز کیے گئے، انھیں بھی ’بساط فن‘ میں بلا امتیاز شامل کتاب رکھا ہے۔ مثلاً نسبتاً کم معروف اور غیر منصبی مگر حقیقی معتبر شاعر و ادیب ارمان شیام نگری، دل عرفانی اور مشتاق حامی پر خود خامہ فرسائی بھی کی مزید انھیں اپنی کتاب میں جگہ بھی دی۔ اس سلسلے میں معروف و معتبر ناقد، محقق اور شاعر ڈاکٹر نسیم احمد نسیم (بتیا، بہار) بھی یوں لکھتے ہیں:

> ’’نسیم اشک کا ایک اختصاص یہ بھی ہے کہ کثرت سے نئے اور نسبتاً کم معروف ادیبوں اور شاعروں کو اپنا موضوع بنایا ہے۔ جب کہ آج کی مصلحتی تنقید صرف ان ہی اشخاص کا کرّ و فر کے ساتھ ذکر کرتی ہے، جو یا تو منصبی حیثیت رکھتے ہیں یا سماجی!‘‘
> (تقریظ، ’بساط فن‘)۔

نسیم اشک ایک انتہائی کم گو مگر اپنی دُھن میں مگن ہو کر لکھنے پڑھنے والے شاعر و ادیب ہیں۔ خاموشی سے اپنی ذمہ داریوں کو انجام دینے والا ادیب کسی منزل کا راہ رویوں ہی نہیں ہوتا۔ اس کے اختیار کردہ فیصلے میں دور بینی، حوصلہ مندی، وسیع القلبی اور عدیم النظیری کارفرما ہوتی ہیں۔ اشک نے اپنے نثری مجموعے کے ذریعہ ادب کی راہوں میں ایسی ڈگر کا انتخاب کیا ہے جو انھیں چند مخصوص اسماء اور موضوعات میں محصور تنقیدی ادب سے علیحدہ راستے پر گامزن کرتا ہے۔ یہ راستہ اس منزل کی جانب فاصلے طے کراتا ہے، جو درحقیقت یہ ایک وسیع تر تنقیدی ادبی سطح ہے، جہاں ہمارا تنقیدی و تحقیقی ادب متعین شخصیات اور مخصوص موضوعات کی

تکرار اور یکسانیت کے باعث سمٹے اور سکڑے ہوئے ادبی دائرے سے باہر کی دنیا سے روشناس ہوا کرتا ہے۔اس وقت طلب اور کٹھن کام کے لیے مطالعہ اور صرف مطالعہ کو اوڑھنا بچھونا کرنا ہوتا ہے۔راتوں کی نیندیں حرام کرنا پڑتی ہیں۔دن میں بہت سے ذاتی اہم کاز کی قربانیاں دینا پڑتی ہیں۔نسیم اشک کی حالیہ ادبی کارگزاری خود میں انفرادیت و امتیازات کی حامل ہے۔اپنی بات کو استحکام دینے کے لیے مقبول زمانہ قدآور نقاد، مبصر، صحافی اور ادیب حقانی القاسمی کے اقتباسات کو دلیل کے طور پر قارئین کی پیش نظر کیے دے رہا ہوں:

''ہماری تنقید کا المیہ یہ ہے کہ یہ صرف چند ناموں اور موضوعات میں محصور ہو کر رہ گئی ہے۔ان ہی اسماء اور موضوعات کی تکرار اور یکسانیت کی وجہ سے ہماری تنقید کا دائرہ سمٹا اور سکڑا ہوا نظر آتا ہے۔ 'بساط فن' اس تنگ تنقیدی دائرے سے الگ ایک وسیع تر تنقیدی منظرنامہ پیش کرنے کی کوشش ہے کیونکہ اس میں ایسے فن کاروں کے بارے میں مضامین شامل ہیں، جن پر تنقیدی مطالعات کی کوئی مضبوط صورت نہیں نکل پائی ہے۔ ارمان شیام نگری، نور اقبال، مشتاق حامی، سیف الدین محمد عادل، حشم الرمضان، عظیم انصاری اور دل عرفانی وغیرہ اس طرح کے ایسے نام ہیں جو تنقیدی حوالوں میں کم شامل ہو پاتے ہیں۔'' (تقریظ، 'بساط فن')۔

نسیم اشک کی مضمون نگاری کی خوبیوں میں اچھوتے عنوان کا انتخاب بھی ایک قابل ذکر خوبی ہے۔ ان کے مضامین کے عنوانات دلکش اور خود میں انفراد رکھتے ہیں۔پہلی نظر کا پیار اور پہلی نظر کا انتخاب کا سا تاثر قائم ہوتا ہے، جو قاری کو اپنی جانب کشش کرتا ہے۔مثال کے طور پر 'بساط فن' میں موجود ''بحر مزاح کا شناور: پطرس بخاری''، ''اس محفلِ کیف و مستی میں مجاز''، ''پریت کا جوگی شاعر: ارمان شیام نگری''، ''مختصر حیات کی طویل داستان: خلش امتیازی''، ''طاقِ زیست پر چراغِ دل جلانے والا: دل عرفانی''، ''شب کی تاریکی میں نور کا متلاشی: نور اقبال''، ''مشتاق حامی: زندگی کی تلخ حقیقتوں کا شاعر'' اور ''عظیم انصاری کی ترجمہ نگاری کا آئینہ: دو گھنٹے کی محبت'' جیسے منفرد عنوانات اس امر کے نمایاں تمثیلات ہیں۔ایسے عنوانات پڑھتے ہی قاری کا دل مضمون پڑھنے کے لیے مائل ہونے لگتا ہے۔نسیم اشک کی نثر نگاری میں قابل ذکر بات صرف عنوانات تک ہی محدود نہیں بلکہ بیشتر مضامین کی تمہیدی گفتگو بھی قابل سراہنا ہے، جو واقعی پڑھنے سے تعلق رکھتا ہے۔ان کے مضامین کے تعارفی کلمات نیز تمہیدی جملے اپنے شگفتگی کے سبب ابتدائے مضمون میں ہی قاری کی توجہ و ذہن کو اپنے حصار میں لے لیتے ہے نیز قاری سے مکمل پڑھوا لیتے ہیں۔اس امر میں اشک کو اپنے قلم پر بڑے فن کاروں سا اختیار ہے۔مندکرہ تناظر میں ویسٹ بنگال اسٹیٹ یونیورسٹی کے اسسٹنٹ پروفیسر ڈاکٹر تسلیم عارف صاحب کتاب نسیم اشک کی مضمون نگاری کے تعلق سے یوں رقم طراز ہیں:

''نسیم اشک عمدہ اور شگفتہ نثر لکھنے پر قادر ہیں۔ان کے مضامین کی تمہید اس قدر سحر انگیز اور خوبصورت ہے کہ وہ قاری سے ایک نشست میں پورا مضمون پڑھوانے کا مطالبہ کرتی ہے۔'' (تقریظ، 'بساط فن')۔

بنیادی طور پر اشک ایک قابل افسانہ نگار اور شاعر بھی ہیں۔لہٰذا 'بساط فن' کے بیشتر مضامین میں اپنی تمہیدی اور

تعارفی عبارتوں پر کہیں کہیں افسانوی رنگ بھی چڑھاتے نظر آتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ طویل مضمون کے ابتدائی مرحلے میں ہی موصوف قاری کی توجہ پوری طرح اپنی جانب مبذول کرانے میں کامیاب ہو جاتے ہیں۔ یہ ان کے قلم کی ایک سحر کاری ہی تو ہے کہ قاری جیسے جیسے ان کی تخلیقات اور تحاریر کے متن کو پڑھتے جاتا ہے، مکمل طور پر مضمون کی لطافت میں گرفتار ہو کر محوِ مطالعہ ہوا جاتا ہے۔ دلیل کے طور کتاب 'بساط فن' سے صرف 4 چار مثالیں قارئین کی نذر کر رہا ہوں:

مثال (1):

مضمون ''شاعر انقلاب: مخدوم محی الدین'' کا پہلا پیراگراف دیکھیں:

''ادب کا زندگی سے، اور زندگی کا ادب سے ایک اٹوٹ رشتہ ہے۔ زندگی کا کرب، قوم کی ترجمانی، محنت کشوں کی صدا، بہتر سے بہتر سماج کی تشکیل، مساوی تقسیم اور بنیادی ضرورتوں کے ساتھ آگے بڑھنے کا جذبہ جب کارفرما ہوتا ہے، تو ترقی پسند تحریک کہلاتی ہے۔ بلا شک و شبہ ترقی پسند تحریک عالمی ادب کی اہم ادبی تحریک رہی ہے۔'' ('بساط فن'، ص: 30)

مثال (2):

مضمون بہ عنوان ''مشتاق حامی: زندگی کی تلخ حقیقتوں کا شاعر'' کے پہلے پیرا/اقتباس میں نسیم اشک یوں تمہید باندھتے نظر آتے ہیں:

''کہانیوں میں جب کوئی ہیرو جرائم کا خاتمہ کرتا ہے، کوئی آسمانی معجزہ ہوتا ہے اور باطل پر حق کی فتح ہوتی ہے تو دیکھنے والا اور سننے والا ایک عجب توانائی محسوس کرتا ہے۔ اور وہ اس کہانی کا ہیرو خود کو تصور کرنے لگتا ہے۔'' ('بساط فن'، ص: 94)

مثال (3):

ٹھیک اسی طرح مضمون ''طائر بام فکر و فن: دبیر احمد'' میں اشک یوں رقم طراز ہیں:

''تصنیف اور تنقید ایک عہد کی پیداوار ہوتے ہیں۔ شاعر ہو یا ادیب، یا کوئی بھی فن کار اپنے عہد کا ترجمان ہوتا ہے۔ اس کے فن کا معیار، اس عہد کے تناظر میں ہوتا ہے، جس عہد میں اس نے اپنے فن کا نمونہ پیش کیا''۔ ('بساط فن'، ص:116)

مثال (4):

اسی کتاب 'بساط فن' کے مضمون بہ عنوان ''عظیم انصاری کی ترجمہ نگاری کا آئینہ: دو گھنٹے کی محبت'' میں فاضل مصنف کچھ روشنائی میں یوں لکھتے ہیں:

''عظیم انصاری کا نام اردو ادب میں نمایاں ہے۔ شاعری کے حوالے سے ایک معتبر نام ہے۔ بڑی محنت اور لگن سے ادب کی خدمت کرتے ہیں۔ ترجمہ نگاری، اس زبان میں پڑھی جائے، جس میں اس کا ترجمہ کیا گیا ہو تو یہ گمان بھی نہیں ہوتا کہ ترجمہ ہے یا اصل متن۔ یہی ترجمہ نگاری کا کمال ہوتا ہے۔ اور اس کمالِ فن کو بڑے کمال و خوبی سے انجام دے کر عظیم انصاری نے کمال کر دیا ہے۔'' ('بساط فن'، ص:103)

عصر حاضر میں نئے لکھنے والوں میں کئی قلمکار بڑی محنت و جد و جہد کے ساتھ نثری و منظوم ادبی خدمات انجام دے رہے ہیں۔ دیانت داری سے ان کی تخلیقات، مضامین و تحاریر کو پڑھا جائے تب ہی بشمول ان کی صلاحیتیں حق بات

سمجھ میں آئے گی۔ادبی چپقلش،بغض،اقربا پروری،تکبر اور انا تو میدان ادب کیا کسی بھی میدان میں کسی بھی سطح پر صرف اور صرف تخریب کاری کی کرتوت کی جانب لے جاتی ہے۔ تاریخ شاہد ہے کہ ہم اردو والے ہمیشہ اس وبا کے حصار میں رہے ہیں بلکہ یوں کہہ لیا جائے کہ نسبتاً دوسرے ادب والوں سے زیادہ۔ اسی کا نتیجہ ہے کہ اردو ادب دیگر زبانوں کے ادب کی بہ نسبت کس قدر دو چار ہے، بتانے کی قطعی ضرورت نہیں۔ ایک جانب ہم اردو والے خود پر اور اپنی زبان پر تعصب برتتے اور تنگ نظری کے سلوک کا رونا روتے ہیں جب کہ دوسری جانب کثیر تعداد میں اردو زبان و ادب کے شاعر اور ادیب علاقائی تنگ نظری، باہمی تعصب پسندی، خود ستائی، خودنمائی اور اقربا پرستی کے اذہان رکھتے ہیں۔ ہم خوب جانتے ہیں کہ کسی طور یہ ڈھکی چھپی بات بھی نہیں۔ مگر نسیم اشک جیسا اردو ادب کا سچا خادم جب مطالعے کے سمندر میں مستغرق ہو جاتا ہے۔ پھر بحرِ ادب کے فن پاروں میں غوطہ زن ہونے کے بعد جب باہر نکل آ کر کچھ لکھتا ہے تو اشک کے نوکِ قلم سے لفظوں اور جملوں کی ترتیب یوں ہوتی ہے کہ مت پوچھیے۔ اس کی ایک معمولی جھلک طنز و مزاح نگاری کے حوالے سے ایک سنجیدہ مضمون بہ عنوان ''بحرِ مزاح کا شناور: پطرس بخاری'' میں قاری زیر نظر دیکھ سکتے ہیں:

''دراصل مزاح نگاری کا مقصد تعمیری ہونا چاہئے، جذبۂ ہمدردی کا دخل ہونا چاہئے۔ پطرس بخاری ایک ایسے مزاح نگار کا نام ہے جس نے مزاح نگاری کو نشتر نہیں، پھول بنا کر پیش کیا ہے۔ ان کی مزاح نگاری میں دور دور تک تحقیر کا سایہ نہیں ملتا۔ پطرس بخاری شائستگی سے اپنی بات کہنے کا ہنر جانتے ہیں۔'' ('بساطِ فن'، ص:20)

بے ثبات زندگی کی مار سے عملی کارزار میں کون بچا ہے۔ اشک کو اس امر کا تلخ تجربہ رہا ہے۔ جس طرح ایک فاقہ کش کو آسمان کے چاند و سورج میں بھی گول روٹی دکھائی پڑتی ہے۔ اسی طرح نسیم اشک کو بھی دوسروں کے اشک، دکھوں اور سسکیوں میں خود کے اشک، دکھ اور غم نظر آتے ہیں۔ لہٰذا ان کو آپ بیتی کے ساتھ جگ بیتی کے ذائقے کا بھی علم بھی خوب ہو جاتا ہے۔ بعد ازیں وہ اس کی اچھی عکاسی بھی کرتے نظر آتے ہیں۔ مثال کے طور پر اشک کے مضمون بہ عنوان ''مختصر حیات کی طویل داستان: خلشِ امتیازی'' کے پیش نظر ماخوذ جملوں میں ان کا اندازِ بیاں دیکھئے:

''حیات کس کو پیاری نہیں ہوتی، خوابوں کی تعبیریں کون نہیں چاہتا مگر آسماں کے فیصلے انسانی فہم سے بھی بالاتر ہوتے ہیں اور دسترس سے بھی۔ غموں کی کال کوٹھری میں سسکیوں کا ابھرنا حیران کن نہیں مگر قہقہوں کا پھوٹنا حیران کن ضرور ہے۔'' ('بساطِ فن'، ص:75)

نسیم اشک نے اپنی کتاب 'بساطِ فن' کے توسط اپنے بسیط تخیل کی کارپردازی سے ایسی ایسی پیکر تراشیاں اور متن آفرینی کا مظاہرہ کیا ہے کہ غیر دیانت دار مضمون نگار کی وجہ سے مضامین سے اٹھ جانے والا قاری کا اعتماد بحال ہونے لگتا ہے۔ ان کو بات سے بات پیدا کرنے کا ہنر بھی خوب معلوم ہے۔ لفظوں کو قاعدے سے بُننے کا طریقہ بھی جانتے ہیں۔ اسی کڑی میں اشک اپنی 'بساطِ فن' کے صفحہ نمبر 76 پر یوں رقم طراز ہیں:

''خلشِ امتیازی کو شاعری کی امتیازی خصوصیت پیدائشی ملی تھی۔ ابتدائی دنوں سے چنچل طبیعت واقع ہوئے ہیں۔''

'بساط فن' کو چشم بینائی سے گزارنے پر یہ بات سامنے آتی ہے کہ بذاتِ خود بھی سہل زبان میں بات کہنے اور لکھنے والا شخص نسیم اشک جو ثقیل الفاظ سے اجتناب کرتا ہے۔ محاورات کا استعمال، دلچسپ لفظیات کا موزوں نشست و برخاست اور صاحبِ مضمون کی حیات کو ذہن کے پس منظر میں رکھتے ہوئے موزوں جملوں کو ذہن میں پکانا پھر مضمون میں پرونا بھی اشک کا کمال ہے۔اس پیرائے میں آیئے ہم محظوظ ہوتے ہیں کہ موصوف اشک مرحوم خلش امتیازی کے بارے میں بالترتیب صفحات نمبر 78 اور 80 پر بھی کیا گیا اور کیسے کیسے لکھتے ہیں:

صفحہ نمبر 78:

''خلش امتیازی نے بھی ثقیل الفاظ سے اجتناب برتا ہے اور سہل زبان میں دیر اثر شاعری کی ہے۔شاعری شعریت کا تقاضا کرتی ہے، دخیل الفاظ کی ہنرکاری نہیں۔''

صفحہ نمبر 80:

''فاختہ کی چونچ میں شاہین کے تصور کو صفحہ قرطاس پر ابھارنے والے شاعر کا انداز بیان غالب کی طرح اپنے ہم عصروں میں یقیناً امتیازی تھا۔اردو ادب کا یہ افسانوی کردار اپنے افسانے کے اختتام سے پہلے، بہت پہلے روپوش ہوگیا۔''

نسیم اشک کی تحریروں میں ایک قابل ذکر بات یہ بھی ہے،جس سے نئے لکھنے والے استفادہ کرسکتے ہیں کہ انھوں نے سادہ بیانی میں بھی ادبی چاشنی کو برقرار رکھا ہے۔لطیف تر اور ثقیل الفاظ کے دخیل سے بہت حد تک اجتناب کیا ہے۔ اس سے قاری کو ان کے طویل مضامین پڑھنے میں کہیں بھی اُوب جانے کی نوبت نہیں آتی۔ان کے اظہاریہ میں سادگی ہے نیز سلیس اندازِ بیاں میں سلاست کی موجودگی بھی ہے۔

اس کے سبب اشک کی تحریروں میں ابہام اور ژولیدگی کے عناصر نہیں دِکھتے۔اس تناظر میں اشک کے تعلق سے شریف النفس، خلیق اور قد آور ادیب، مدیر و محقق حقانی القاسمی کی چند عبارت کو زیر نظر پیش کیے دیتا ہوں:

''انھوں نے اپنے تنقیدی تاثرات کا اظہار سادہ اور سلیس انداز میں کیا ہے۔ان کی تنقیدی زبان میں ژولیدگی اور ابہام نہیں ہے۔فن کاروں کے امتیازات اور اختصاصات کی نشاندہی بھی خوبصورت پیرائے میں کی ہے۔'' (تقریظ،'بساط فن')

اپنی باتوں کو اختصار دیتے ہوئے ایک بات گوش گزار کرنا چاہوں گا کہ اشک خود ہی ایک سلجھے ہوئے شاعر ہیں۔ اس لیے انھوں نے 'بساط فن' کے آغاز میں صفحہ نمبر 4 پر اپنا ہی ایک شعر لکھا ہے، جو ان کی مستقل و مستحکم مزاجی کی غماز ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ تنگ حالات اور مخالف ہواؤں میں بھی کیسے صبر و تحمل کے ساتھ ڈٹ کر اپنا تخلیقی و عملی ادبی کاز کیا جاسکتا ہے۔اطراف میں جب انانیت، مصلحت، شاطرانہ روش اور تکبر کی آندھی چلے تب بھی تنکا صفت شخص اپنی اوقات وحیثیت کو کیسے بحال و برقرار رکھ سکتا ہے۔ٹھیک اسی طرح اپنے ملنے جلنے والوں میں کون کون حسد و رشک کے مارے انھیں نقصان پہنچا رہا ہے یا ضرب کاری کر رہا ہے، خاموشی سے سب جان بوجھ کر بھی اشک حرفِ شکایت یا حرف احتجاج کی صورت نہیں بنتے بلکہ ان کے سامنے اپنی خاکساری کا تنکا رکھ دیتے ہیں۔ مضمون بے جا طوالت کا شکار نہ ہوجائے۔ اس خدشے سے نوکِ قلم کی حرکت کو یہیں اشک کے متذکرہ زیر نظر شعر پر ساکت کر رہا ہوں۔

للکارتا ہوا جو طوفاں بڑھا اِدھر
میں نے خلاف اس کے ایک تنکا رکھ دیا

ابن مریم۔ جمال پورہ مئوناتھ بھنجن (یوپی)

اردو میں خواتین کی خاکہ نگاری ایک جائزہ (۲)

عصمت نے اپنے ادبی زندگی کی ابتدا ڈراما نگاری سے کی تھی اوران کی پہلی تحریر ان کا ڈراما 'فسادی' تھا جو ۱۹۳۸ء میں ساقی میں شائع ہوا تھا۔ عصمت جارج برناڈ شاہ کے ڈراموں سے متاثر تھیں۔ عصمت کا پہلا مطبوعہ افسانہ 'کافر ۱۹۳۸ء' اور پہلا مطبوعہ ناول ضدی ۱۹۴۱ء ہے۔ ان کا پہلا افسانوی مجموعہ 'کلیاں ۱۹۴۱ء' ہے۔ عصمت کی پہلی فلم 'چھیڑ چھاڑ' ہے۔ وہ فلم 'جنون' میں خاص رول ادا کیا تھا جنون کی کہانی ۱۸۵۷ء کے عوامی انقلاب سے تعلق رکھتی تھیں۔ ان کو فلم 'گرم ہوا' کی کہانی لکھنے پر بہترین کہانی کار کا ایوارڈ ملا تھا۔ عصمت کا پہلا مضمون 'بچپن' ہے۔ عصمت پر افسانہ لحاف کے لیے فحاشی کا الزام ۱۹۴۲ء میں لگایا گیا تھا اور مقدمہ چلا تھا۔ عصمت نے جنسی موضوعات سے ہٹ کر واقعات کربلا پر ایک ناول 'ایک خطرہ خون' لکھا تھا۔ عصمت نے وصیت کی تھی کہ انتقال کے بعد ان کو دفن کرنے کے بجائے نذر آتش کر دیا جائے۔ عصمت کے فکشن کا موضوع متوسط مسلمان گھرانوں کے لڑکوں اور لڑکیوں کی زندگی ہے۔ ان کو ناول 'ٹیڑی لیکر' پر غالب ایوارڈ ۱۹۷۴ء میں ملا تھا۔ اس کے علاوہ سودیت لینڈ نہرو ایوارڈ، پدمشری، مخدوم لٹریری ایوارڈ، اقبال سمان وغیرہ ملا تھا۔ ضدی، معصومہ، عجیب آدمی، تین اناڑی، کاغذی ہے پیرہن، سودائی، جنگلی کبوتر، ایک قطرہ خون، ٹیڑھی لیکر، دل کی دنیا، باندی، نقلی رجکمار وغیرہ ان کے اہم ناولیں ہیں۔ کلیاں، چوٹیں، ایک بات، چھوئی موئی، دو ہاتھ، شیطان، بدن کی خوشبو، دھانی بانکپن، امر بیل، تھوڑی سی پاگل، آدھی عورت آدھا خواب، دوزخی وغیرہ ان کے اہم افسانوی مجموعے ہیں۔ 'بمبئی سے بوپال تک' یہ ان کے مشہور رپوتاژ ہے۔

عصمت نے اپنے بھائی عظیم بیگ چغتائی کا خاکہ 'دوزخی' کے عنوان سے لکھا ہے۔ اس خاکے کا شمار اردو کے بہترین خاکوں میں ہوتا ہے۔ اس خاکے کا طرز اسلوب بہت دلچسپ ہے۔ اس میں انھوں نے قول محال کی تکنیک کا استعمال کیا ہے۔ ایک بچپن سے بیمار شخص کیسے نفسیاتی طور پر اذنت پسندی کا شکار ہو جاتا ہے۔ ان کا طرز اسلوب ایسا ہے کہ اس کے کردار کی تمام تر خامیوں اور انسانی کمزوریوں کے باوجود وہ قاری کے دل میں محبت و ہمدردی کا جزبہ کر لیتا ہے 'نئے ادب کے معمار' کے تحت عصمت نے مجاز کا خاکہ لکھا ہے یہ بھی ان کے یادگار خاکہ ہے۔ اس کے علاوہ منٹو، پطرس، خواجہ احمد عباس اور جانثار اختر پر بھی خاکے لکھے ہیں۔

خاکہ نگاری کی روایت میں خواتین قلم کاروں میں عصمت چغتائی کے بعد اہم نام صالحہ عابد حسین کی ہے۔ وہ ناول اور افسانہ نگاری کے علاوہ خاکہ نگاری میں بھی اپنے فنی کمالات دکھائے ہیں۔ مولانا الطاف حسین حالی کی ایک نواسی مشتاق فاطمہ جن کی شادی خواجہ غلام الثقلین سے ہوئی تھی۔ ان دونوں ایک بیٹی تھیں جن کا نام تھا مصداق فاطمہ تھا۔ یہ مصداق فاطمہ صالحہ عابد حسین نام سے مشہور ہے۔ وہ ۱۹۱۳ء کو پانی پت، پنجاب میں پیدا ہوئیں۔ ان کے بھائیوں بھی

بہت مشہور ہیں ایک ماہر تعلیم خواجہ غلام السیدین اور دوسرا بھائی مشہور ادیب، افسانہ نگار، اور فلم پروڈیوسر اور ڈائریکٹر خواجہ احمد عباس ہے۔صالحہ عابدہ حسین نے ادب فاضل اور میٹرک کا امتحان پنجاب یونورسٹی سے کیا۔۱۹۳۳ء کو بیس برس کی عمر میں ان کی شادی ڈاکٹر سید عابد حسین سے ہوئی۔شادی کے بعد انہوں نے اپنے بھائی غلام السیدین اور اپنے شوہر عابد حسین کے ساتھ ملکر اردو ادب کا مطالعہ کیا اپنی محنت اور ذاتی دلچسپی سے اپنے مطالعہ کو بامِ عروج تک پہنچایا۔

قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی کے مرتب کردہ جامعہ انسائیکلوپیڈیا میں میں تحریر ہے کہ 'صالحہ عابد حسین' نے آٹھ ناول لکھے ہیں جن میں عذرا، آتشِ خاموش، راہ عمل، قطرہ سے گُہر ہونے تک، یادوں کی چراغ، اپنی اپنی صلیب، الجھی ڈور، گوری سوئے سیج پر اور ساتواں آنگن شامل ہیں۔صالحہ عابد حسین نے دو جلدوں میں 'انیس کے مرثیے' مرتب کیے ہیں۔نراس میں آس، درد و درماں، تین چہرے تین آوازیں، سازِ ہستی اور تو نگے ان کے مجموعوں کے نام ہیں۔اس کے علاوہ 'نقشِ اوّل' کے نام سے ان کی کہانیوں اور ڈراموں کا مجموعہ بھی شائع ہوا۔انہوں نے اپنے سفر نامہ 'سفر زندگی کے لئے سوز وساز' بھی لکھا ہے۔بچوں کے لئے بھی چند تحریر کیے ہیں ان میں حالی، بڑا مزہ اس ملاپ میں ہے، امتحان اور بنیادی حق وغیرہ شامل ہیں۔اس کے علاوہ کئی ترجمہ بھی کئے میں ان میں کثرت میں وحدت، باپو، بڑا باپو: مجمودار وغیرہ شامل ہیں۔انہوں نے پچاس زیادہ کتابیں لکھیں۔صالحہ عابد حسین بیک وقت مصنفہ، مترجمہ، سوشل ورکر اور تعلیم نسواں کی علمبردار بھی تھیں۔ان کی مختلف کتابوں کو ہندوستان کی مختلف اردو اکادمیوں نے انعامات سے نوازا۔ہندوستانی حکومت کا پدم شری ایوارڈ تفویض کیا گیا۔وہ ۱۹۸۸ء کو دہلی میں انتقال ہوا۔

صالحہ عابد حسین نے ناول اور افسانہ نگاری کے علاوہ خاکہ نگاری میں بھی اپنے فنی کمالات دکھائے ہیں۔'جانے والوں کی یاد آتی ہے' اور 'بزم دانشوراں' ان کے خاکوں کے مجموعہ ہیں۔وہ اپنے عہد کی معروف شخصیات کے خاکے لکھے، جن میں خواتین بھی شامل ہیں۔ان کی زبان سادہ و سلیس اور انداز مخلصانہ ہوتا ہے۔خواتین سے متعلق خاکوں میں ان کی نسائی حسیت کی جھلک دکھائی دیتی ہے۔وہ ان خاکوں میں مختلف حوالوں سے عورت کی عظمت کو پیش کرتی ہیں۔وہ اندرا گاندھی کے بارے میں بھی خاکہ لکھا۔

رضیہ سجاد ظہیر بھی خواتین خاکا نگاروں میں مشہور ہے۔وہ ۱۹۱۷ء کو اجمیر، راجستھان میں خان بہادر سید رضا حسین کے گھرانے میں پیدا ہوئیں، جو اجمیر اسلامیہ ہائی اسکول کے ہیڈ ماسٹر تھے۔ان کے دادا سید امام حسین آثم صاحبِ دیوان شاعر تھے۔وہ لوگ تعلیم و تعلم اور درس و تدریس سے منسلک ایک روشن خیال ماحول کے پروردہ تھے، لہٰذا رضیہ سجاد ظہیر کو بھی تعلیم کیے لیے کسی جدو جہد کا سامنا نہیں کرنا پڑا۔انہوں نے میٹرک۔ایف اے اور بی اے تک کی تعلیم گھر سے ہی حاصل کی۔پھر شادی کے بعد الہ آباد یونورسٹی سے ایموا۔اے کی ڈگری فرسٹ ڈویژن سے حاصل کی۔ان کو تین بھائیوں اور دو بہنیں تھیں۔ان کا نام شادی سے قبل رضیہ دلشاد تھا۔۱۹۳۸ء میں ۱۲ برس عمر میں سجاد ظہیر سے شادی کے بعد رضیہ سجاد ظہیر بن گئیں۔

رضیہ سجاد ظہیر ترقی پسند تحریک کے بانی سجاد ظہیر کی شریک حیات تھیں۔ان دونوں کے مزاج اور دہنیت یکساں

تھے۔رضیہ سجاد ظہیر بھی ترقی پسند ادیبوں کے صفِ اوّل میں شمار کی جاتی تھیں وہ اشتراکی خیالات کی ہمنوا تھیں اور ان کے افسانوں کی کردار بھی اسی ہمنوائی کے مرہون منت تھے۔رضیہ سجاد ظہیر نے شادی کے قبل بھی چھوٹی موٹی تحریریں رقم کیا کرتی تھیں شادی کی بعد ان کے قلم کو مزید تقویت حاصل ہوئی۔پھول، تہذیب نسوان، اور عصمت وغیرہ رسالوں میں ان کے افسانہ شائع ہوتے رہے۔انہوں نے افسانے، ناول، ناولٹ تحریر کرنے کے علاوہ بے شمار کتابوں کے ترجمے کیے ہیں۔انکی مشہور ناولٹ 'سرشام' ۱۹۵۳ء میں شائع ہوا۔ناول 'کانٹے' اور 'سمن اور 'اللہ میگھ دے' اور ان کے خطوط مجموعہ نقوش زندان میں شائع ہوا۔۱۹۷۹ء کو دہلی میں وفات ہوئی۔ان کی وفات کے بعد ان کی صاحب زادی نور ظہیر نے ان کے افسانوں کے دو مجموعوں کی صورت میں شائع کیا گیا۔پہلا مجموعہ 'زرد گلاب' دوسرا 'اللہ دے اور بندہ لے' کے عنوان سے شائع ہوا۔رضیہ سجاد ظہیر کو ہندوستان کی مختلف اردو اکادمیوں نے انعامات سے نوازا۔

رضیہ سجاد ظہیر کے خاکوں میں سے اکثر کردار ایسے ہیں جنھیں ہم زبانِ عام میں عام آدمی کہتے ہیں۔ان خاکوں کے مطالعے سے اندازہ ہوتا ہے کہ ہر عام انسان میں کوئی نہ کوئی خاص بات ضرور ہوتی ہے، لیکن اسے دیکھنے اور سمجھنے کے لیے بصارت کے ساتھ ساتھ بصیرت درکار ہے جو رضیہ سجاد ظہیر میں بدرجہ اتم موجود ہے۔ان کی انسان دوستی، روشن خیالی، وسیع النظری، انسان کو دولت، شہرت، طبقے، مذہب اور سماجی رتبے سے پرے دیکھتی ہے۔وہ انسانیت اور اعلی اقدار کو افضل تصور کرتی ہیں۔ان کے خاکے نہایت سادہ اور دلکش ہوتے ہیں۔تکلف اور تصنع سے پرے یہ خاکے انسان کی ان بنیادی خصوصیات اور صاف پیش کرتے ہیں جو ایک انسان کو صحیح معنوں میں انسان بناتے ہیں۔خاکوں میں اصحابِ خاکے سے ان کا خلوص اور وابستگی ان خاکوں میں موثر بناتی ہے۔ شرافت، نیل نفسی، قلندرانہ صفت، بے نیازی، وفاداری، جزبۂ ایثار، اپنے کام سے بے انتہا شغف، قناعت، بے لوث محبت، احساسِ ذمہ داری، وسیع النظری، فراخ دلی، دوسروں کے دکھ درد کا احساس، دردِ دل، احترامِ انسانیت جیسے اوصاف کے حامل ان کے خاکے انسان دوستی کے آفاقی تصور کو پیش کرتے ہیں۔ رضیہ سجاد ظہیر کی دو تصانیف ''اللہ دے بندہ لے'' اور ''زرد گلاب'' ایسی ہیں جن میں افسانے اور خاکے دونوں شامل ہیں۔رضیہ سجاد ظہیر کے خاکے مختصر مگر جامع ہوتے ہیں۔تاثراتی نوعیت ان خاکوں میں وہ شخصیت کی پہچان بن جاتے ہیں۔

قرۃ العین حیدر اردو کی پہلی افسانہ اور ناول نگار ہیں جنھوں نے انگریزی فکشن کے جدید ترین ہیئتی تجربوں سے استفادہ کیا۔ان کہانیوں میں جیمس جوائس اور ورجینا دولف کا اثر واضح طور پر نظر آتا ہے۔اپنی تخلیق میں وہ اعلی طبقے کی زندگی کو پیش کیا ہے۔اس لیے ترقی پسند ادیبوں کا طبقے قرۃ العین حیدر کو جاگیرداری معاشرے کا نمائندہ قرار دیتا تھا۔وہ رومانی نقطۂ نظر کی حامل تھیں۔اپنے ادبی سفر کی اغاز سات سال عمر میں 'کارٹون' نامی کہانی لکھ کر کیا تھا جو رسالہ پھول کے سالنامے میں شائع ہوا تھا۔قرۃ العین حیدر کا پہلا افسانہ 'ایک شام ہے' جسے وہ طنزیہ اسکرپٹ کہتی ہیں۔فرضی نام لال رخ سے 'ادیب' ۱۹۴۳ء میں شائع ہوا تھا۔دوسرا افسانہ 'یہ باتیں' بنت سجاد حیدر یلدرم کے نام سے 'ہمایوں' میں شائع ہوا تھا۔تیسرا افسانہ 'ادارے' قرۃ العین حیدر کے نام سے ۱۹۴۴ء کے 'ادیب' میں شائع ہوا تھا۔میرے بھی صنم خانے، آگ کا

شکیلؔ ارمان ۔مغربی بنگال

غزل

اپنی آنکھوں کے بہتے پانی کا
کیا کریں ہم تری نشانی کا

لوگ صدیوں جسے بھلا نہ سکے
میں وہ کردار ہوں کہانی کا

چھوڑ کر کب کہاں چلی جائے
"کیا بھروسہ ہے زندگانی کا"

کوئی خانہ بدوش سے پوچھے
کیا ہے دکھ، درد لامکانی کا

کشتیِ نوح بس سلامت تھی
دور ورنہ تھا صرف پانی کا

ہم بھی کرتے تھے دل پہ راج کبھی
دور جب تک رہا جوانی کا

ماں کو خوش رکھنا ہر طرح سے شکیلؔ
یہ وسیلہ ہے کامرانی کا

دریا، آخری شب کے ہم سفر، کارِ جہاں دراز ہے، گردشِ رنگ چمن، چاندنی بیگم یہ سب ان کے مشہور ناولیں ہیں۔ان کے سبھی ناولوں کے عنوانات بجز چاندی بیگم کسی نہ کسی شعر کے ٹکرے پر ہیں۔ناول کے علاوہ چند ناولٹ بھی ملتے ہیں ان میں سے سیتاہرن، چائے کے باغ، ہاؤسنگ سوسائٹی، اگلے جنم موہے بیٹانہ کیجو، دلربا، فصل گل آئی یا جل آئی وغیرہ قابلِ ذکر ہیں۔قرۃ العین حیدر نے کل گیارہ رپوتاژ لکھے ہیں وہ دو رپوتاژ مجموعے میں شامل ہیں جو مجموعے 'کوہِ دماوند' اور 'ستمبر کا چاند' ہیں۔ستاروں سے آگے، شیشے کے گھر، پت جھڑ کی آواز، روشنی کی رفتار، جگنوؤں کی دنیا وغیرہ ان کے اہم افسانوی مجموعہ ہیں۔کلیاتِ قرۃ العین حیدر کو تین جلدوں میں آئینہ جہاں کے نام سے جمیل اختر نے مرتب کیا ہے۔حکومتِ ہند ۱۹۹۰ء میں گیان ایورڈ سے نوازا گیا تھا۔اس کے علاوہ ہندوستان کی مختلف اردو اکادمیوں نے انعامات اور پدم شری اور پدم شری وغیرہ سے نوازا۔

قرۃ العین حیدر نے کچھ خاکے لکھے۔'پکچر گیلیری' کے عنوان سے شائع ہوئے ہیں۔پکچر گیلری میں چھ خاکے ہیں۔ جن میں سے سجاد حیدر یلدرم، داستان طراز (رودلوہ محمد علی)، مولانا مہر محمد خان، شہاب مالیر کوٹلوی، پکچر گیلری کی ایک تصویر (شاہد احمد دہلوی)، کچھ عزیز کے بارے میں چاند نگر کا جوگی (ابن انشاء) خاکے شامل ہیں۔خاکہ نگاری کی روایت میں یہ چار خواتین یعنی عصمت چغتائی، صالحہ عابد حسین، رضیہ سجاد ظہیر، قرۃ العین حیدر اپنے اپنے فنی کمالات دکھائے ہیں۔وہ لوگ اپنے عہد کے معروف شخصیات کے خاکے لکھے وہ سب قابلِ ذکر ہیں۔

حوالہ جات

☆ اردو ادب میں خاکہ نگاری۔ڈاکٹر صابرہ سعید۔مکتبہ شعر و حکمت، حیدر آباد۔۱۹۷۸
☆ خاکہ نگاری (فن وتنقید)۔ڈاکٹر بشیر سیفی۔نزیرسنز پبلشرز ۲۰۱۳
☆ بیسویں صدی میں خواتین کا اردو ادب، ترنم ریاض، ساہتیہ اکادمی ۲۰۰۴
☆ آب حیات، محمد حسین آزاد، ص:۴
☆ نذیر احمد کی کہانی کچھ ان کی کچھ میری زبانی، مرزا فرحت اللہ بیگ، ص:۶
☆ دیباچہ گنجے فرشتے، سعادت حسن منٹو

☆☆☆

علیزے نجف۔ سرائے میر اعظم گڈھ

گلوبل وارمنگ جیسے حساس مسئلے سے نمٹنا ضروری

دنیا بڑی تیزی سے بدل رہی ہے اکیسویں صدی نے اس تیز رفتاری کو مہمیز دے دی ہے اس کے چلتے جہاں دنیا میں بیشمار تبدیلیاں واقع ہوئیں ہیں جو کہ منفی و مثبت دونوں ہی ہیں اسی میں ایک تبدیلی کا نام گلوبل وارمنگ ہے یعنی عالمی پیمانے پر درجۂ حرارت کا معمول سے بڑھ جانا اور یہ اضافہ بتدریج بڑھتا ہی جا رہا ہے خالق کائنات نے اس دنیا کو ایک اصول پہ کاربند کیا ہے جو کہ گذرتے وقت کے ساتھ سائنسی تحقیق دانوں نے بھی تسلیم کرلیا ہے لیکن ترقی کی اندھا دھند دوڑ میں انسانوں نے ایسی غلطیاں کی ہیں جس نے نظام دنیا میں اتھل پتھل پیدا کردی ہے اور اس کے زیر اثر پیدا ہونے والے منفی اثرات میں گلوبل وارمنگ بھی شامل ہے۔ سائنس دانوں نے اسے ایک بڑی تباہی سے تعبیر کیا ہے اور اس تباہی کے پیچھے کئ وجوہات ہیں۔ فی الوقت خلا میں مختلف طرح کی گیسیں پائی جا رہی ہیں جو کہ نیم مستقل ہوتی ہیں اس کی خاصیت یہ ہے کہ یہ قدرتی طور پہ نہیں بلکہ زمین پر ہونے والے مختلف قسم کے عوامل کی وجہ سے پیدا ہوتی ہیں اس میں خاص طور سے کاربن ڈائی آکسائیڈ، میتھین، کلوروفلورو کاربن ہیں جس کے ہوا میں شامل ہونے سے درجۂ حرارت میں اضافہ ہو جاتا ہے پچھلے ۳۰ سے ۳۵ سالوں میں درجۂ حرارت میں تیزی کے ساتھ اضافہ دیکھنے میں آیا ہے اس میں گرین ہاؤس کا ایک اہم رول ہے ان گیسوں کا فضا میں بلا روک ٹوک کے بڑھتے جانے سے ایسی بے ترتیبی پیدا ہو رہی ہے جس کی اگر بروقت روک تھام نہ کی گئی تو گذرتے وقت کے ساتھ اس کو معتدل بنانا اور اس کی فطری سطح پہ لانا اتنا ہی مشکل ہوتا چلا جائے گا۔

زمین کے درجۂ حرارت میں اس اضافے کا سبب کافی حد تک انسان اور اس کی ایجادات ہیں جنگلوں کی کٹائی سے فضا میں کاربن ڈائی آکسائڈ کی مقدار میں اضافہ ہوا ہے بھاپ بننے کی شرح میں بھی تیزی آئی ہے یہ سب گرین ہاؤس گیسیں ہیں جو کہ موسمی نظام کو متاثر کرتی ہیں گلوبل وارمنگ کی وجہ سے دنیا کے بعض حصوں میں نمی اور بعض حصوں میں خشکی کا اضافہ ہو رہا ہے اس سے سب سے زیادہ نقصان زراعت اور سمندری ساحلی علاقوں کا ہوگا کیوں کہ گلیشیر کے پگھلنے سے سمندر کی سطح میں اضافے کا خطرہ ہے جس سے بارش کے دوران ان علاقوں میں سیلاب کے آنے کے قوی امکانات ہیں اور کچھ علاقے قحط سالی کی زد میں بھی آ سکتے ہیں اس آب و ہوا کی تبدیلی کی وجہ سے جنگلات میں پودوں درختوں اور پرندوں کو بھی خطرہ لاحق ہو سکتا ہے ہوا بارش درجۂ حرارت سب ایک دوسرے سے جڑے ہوئے ہیں اس لئے ان کو یکساں اہمیت دینا بہت ضروری ہے مختلف درجۂ حرارت کی سطح میں اضافے پر مبنی نمونوں نے تباہ کن سیلاب، خشک سالی، جنگل کی آگ، اور سمندری تیزابیت، اور زمین اور پانی دونوں طرف کام کرنے والے ماحولیاتی نظام کے ممکنہ حد متاثر ہونے کی پیشن گوئی کی ہے بھوک

جنگ اور اس طرح کی پیشن گوئیاں درحقیقت اس لئے کی جاتی ہیں تاکہ ہم قبل از وقت بہترین حکمت عملی کے ذریعے ان ممکنہ نقصانات سے بچ سکیں اگر ہم اس پہلو کی طرف سنجیدگی سے متوجہ ہوں اور کوشش کریں کہ ہم ماحولیاتی نظام کو بہتر بنانے کی ہر ممکن کوشش کریں گے تو شاید یہ کوشش اس بہتری کی طرف بڑھنے والا ایک مثبت قدم بن جائے۔

ہم صرف اس وقت کے تہذیبی ماحول میں پائی جانے والی آسائشوں کے تئیں اپنے رویے بدل کر گلوبل وارمنگ کو شکست نہیں دے سکتے کیوں کہ فضا میں کاربن ڈائی آکسائیڈ پھیلانے کا مرکزی ذریعہ مینوفیکچرنگ انڈسٹریز سے مربوط ہیں جب تک اس کا غیر ضرر متبادل نہیں نکالا جاتا اس مسئلے کی سنگینی جوں کی توں برقرار رہے گی کیوں کہ یہ فیکٹریز طرح طرح کے ایندھن کے ساتھ ساتھ مختلف اقسام کے کیمکل بھی استعمال کرتی ہیں اور اپنا تمام زہریلا کچرا اور فضلا زمین پر یا پھر دریاؤں اور سمندروں میں پھینک دیتے ہیں اس کے منفی اثرات سے سمندری جانوروں کی زندگیاں خطرے میں پڑ گئی ہیں اور کئی جانوروں کی نسلیں بھی ختم ہو رہی ہیں۔

عالمی سطح پہ درجۂ حرارت کے مسلسل اضافے کے بارے میں آب و ہوا کے سائنس دانوں کے درمیان وسیع اتفاق رائے نے متعدد ریاستوں اور کارپوریشنوں اور افراد کو گلوبل وارمنگ کو روکنے اور ماحول کو فطری بہاؤ میں لانے کی طرف متوجہ کیا ہے بہت سی تنظیموں نے یہ مشورہ دیا کہ ماحولیاتی سسٹم کو متاثر کرنے والے افراد و کارپوریشن کے خلاف قانونی کارروائی کرنی چاہئے تاکہ لوگ اس کی سنگینی سے واقف ہو سکیں۔

ماحول کا تحفظ اور اسے انحطاط سے بچانے کی ذمیداری نہ صرف حکومت کی ہے بلکہ عام شہریوں کی بھی ہے کیوں کہ یہ عالمی مسئلہ ہے جس میں ہر فرد بنیادی کردار ادا کر سکتا ہے ماحولیات کے بقا کے لئے پالیسی بناتے وقت معاشی اور اخلاقی پہلوؤں کو نظر انداز نہیں کرنا چاہئے کیوں کہ دیکھنے میں یہ بھی آتا ہے کہ پالیسیوں کے تعین کے بعد اکثر اس کے نفاذ میں وہ سختی اور ایمانداری نظر نہیں آتی جو کہ ہونا چاہئے۔

وسائل کے تحفظ اور نئے وسائل کے منصوبے نیز جدید ٹکنالوجی سے ماحول کو بہتر بنانے کی کوشش بھی کرتے رہنا چاہئے ایک رپورٹ کے مطابق دنیا کی آبادی اس وقت 68 بلین ہے 2030 تک 83 بلین ہو جانے کا اندازہ لگایا جا رہا ہے، غریب ممالک کی آبادی میں اضافے کی شرح کچھ زیادہ ہی ہے جس سے وسائل پر دباؤ بڑھتا ہے اور افلاس اور بیماری میں بھی اضافہ ہوتا ہے اس لئے اس سلسلے میں ایک قومی پالیسی کی ضرورت ہے جو کہ انسانی ابادی کے تناسب کے ساتھ وسائل میں بھی اضافے کا موجب بن سکے۔ ان تمام باتوں کا لب ولباب یہی ہے کہ ماحولیاتی انحطاط کو روکنے کے لئے اور اس کو معتدل بنانے کے لئے ہمیں ہر ممکن کوشش کرتے رہنا چاہئے کیوں کہ اس کے بغیر قابل بقا ترقی ممکن نہیں۔

اس کے لئے سب سے ضروری ہے کہ صاف ستھری توانائی کے متبادل کو اپنایا جائے، ہم صدیوں سے کوئلہ، تیل، گیس کا استعمال کرتے آرہے ہیں جس سے بڑی مقدار میں کاربن ڈائی آکسائڈ اور گرین گیسوں کا اخراج ہو چکا ہے اور ہو رہا ہے اس لئے وائنڈ، سولر، اور ہائڈرو پاور جیسے قابل تجدید انرجی پاور کا استعمال کرنے کی طرف توجہ دینے کی ضرورت ہے کیوں کہ اس طرح کی انرجی سے گرین گیسوں کا اخراج بہت کم ہوتا ہے۔

گلوبل وارمنگ کو کم کرنے کے ایسے قوانین بنانے کی اشد ضرورت ہے جو کہ کاربن ٹیکس اور انرجی کے موثر طریقوں کو فروغ دے، حکومت اس کے لیے سبسڈی بھی فراہم کرے، اس لئے ہر شہری کو چاہئے کہ وہ صرف انھیں سیاسی لیڈروں کو ووٹ دے جو کہ موسمی تبدیلیوں سے نمٹنے کو ترجیح دے اور گلوبل وارمنگ کو اعتدال میں لانے کی کوشش کرے اور ایسے کاروبار کو سپورٹ کرے جو کہ ماحول دوست ہوں۔

دنیا کے جنگلات ایک اسپنج کی طرح کام کرتے ہیں جو فضا میں خارج ہونے والی کاربن ڈائی آکسائیڈ کو جذب کرتے ہیں اس طرح یہ یقینی ہے کہ بڑے پیمانے پہ شجرکاری اور جنگلات کی بحالی کی کوششوں سے گلوبل وارمنگ کے خطرے سے نمٹا جا سکتا ہے۔

اس کے علاوہ نقل وحمل کے ذرائع کے صحیح استعمال سے بھی اس خطرے کو کم کیا جا سکتا ہے جیسے پیدل چلنا، بائیک چلانا، پبلک ٹرانسپورٹ کا استعمال کرنا، یا ہائبرڈ یا الیکٹرک کاریں چلانا ہمارے کاربن کے اخراج کو کم کرنے میں مدد کر سکتا ہے۔ گھروں میں بجلی کے بے جا استعمال میں کمی لانا بھی ایک مؤثر عمل ہو سکتا ہے اس طرح کے اقدامات سے انرجی کو بچایا جا سکتا ہے جس سے کہ کاربن کے اخراج میں کمی واقع ہوگی۔

بلاشبہ، گلوبل وارمنگ کو روکنے کے لیے ایک تبدیلی، ٹھوس اور مستقل کوشش کی ضرورت ہے۔ انفرادی اور اجتماعی دونوں سطح پہ اس کے لئے کوشش کرنا ازحد ضروری ہے، ہماری نئے نئے ذرائع استعمال کرنے کی صلاحیت، ہمارا لچکدار رویہ، اور لاکھوں لوگوں میں پیدا ہونے والا ماحولیاتی شعور اس امید کو سچ کر سکتا ہے کہ زمین ایک بار پھر آنے والی نسلوں کے لیے ایک محفوظ، پائیدار گھر بن سکتی ہے۔ ہم سب ایک ہی سیارے پہ رہتے ہیں، اور اس کے باشندوں کے طور پر، یہ ہماری مشترکہ ذمہ داری ہے کہ ہم زمین پر موجود تمام حیاتیات کی بقا کے لیے گلوبل وارمنگ کو روکیں۔ کیوں کہ ہمارا مستقبل ہمارے آج کے اقدامات پہ منحصر ہے۔

☆☆☆

شاہ زیب شہاب۔ دوحہ، قطر

غزل

روشن ہے جب دئے سا تو دل کے آستاں پر
پھر دھند کیوں خلش کی چھائی ہے جسم و جاں پر
ویران سے پڑے ہیں ایسے لبِ تمنا
پھیلی ہو جیسے وحشت احساس کی زباں پر
باقی رہے نہ خود میں معیارِ رہ روی بھی
ہو منحصر نہ کوئی اتنا بھی کارواں پر
یادوں کی لو کرے کیا پرتاب داغِ دل کو
جب دھند آنسوؤں کی چھائی ہو شہرِ جاں پر
اکثر اسی کے ہاتھوں بے آبرو ہوئی ہے
الفت نے کی ہے بیعت جس دستِ مہرباں پر
لوگوں کی بھیڑ میں بھی رہتے ہیں لوگ تنہا
رشتوں میں خوشگواری ہوتی نہیں جہاں پر
واقف شہابؔ ہوں گے وہ کیا غمِ چمن سے
جو برگ وگل ہیں نازاں نیرنگیٔ خزاں پر

خیر النساء علیم۔ملک پیٹ،حیدرآباد

”دل کی بات،دل میں رہے“

نیلم کی ناقص عقل میں یہ بات نہیں سما رہی تھی۔اماں سمجھا سمجھا کر تھک گئی تھیں ”مجھے معلوم ہے تمہاری دوست نے ہی پٹی پڑھائی ہے۔تمہیں خود احساس نہیں۔۔۔کامران تمہارا بچپن کا منگیتر ہے۔

پھر ابا نے اس کے امتحانوں کا بھی انتظار نہ کیا۔جھٹ منگنی، پٹ بیاہ والا معاملہ ہوگیا۔ وہ اب کامران کی دلہن بنادی گئی۔۔۔ابا نے سختی کے ساتھ کہہ دیا تھا کہ ”اب تمہارا جینا مرنا کامران کے ساتھ۔۔ مجھے کوئی شکایت نہیں ملنی چاہئے“۔۔۔

سسرال میں اسے ہاتھوں ہاتھ لیا گیا۔مگر وہ کسی سے بھی سیدھے منہ بات ہی نہ کرتی۔کامران کی تو صورت سے نفرت کرتی تھی۔اسے تو خوبصورت بلند قیامت لمبی گاڑی والا ملک شیرازی پسند تھا۔جس نے ایک خواب دکھایا تھا بڑے محل کا دنیا بھر کی سیر کا، بے پناہ دولت کا۔جو کامران سے شادی کے بعد چور چور ہوگیا تھا۔

کامران اسے بے پناہ چاہتا تھا۔ وہ شادی کے بعد بہت خوش اور مسرور تھا۔مگر نیلم کا افسوس ہی ختم نہ ہوتا تھا۔اس کو اپنی کم مائیگی پر بے حد افسوس تھا۔ ماں باپ سے بھی بدگمانی ہوگئی تھی کہ انہوں نے اس کے ساتھ زیادتی کی تھی اور وہ اپنے آپ کو بے حد مظلوم سمجھ رہی تھی۔اس کو اپنی خوبصورتی پر بڑا ناز تھا۔

کامران کے والدین اور نیلم کے والدین ایک ہی ڈپارٹمنٹ میں کام کرنے کی وجہ سے دونوں خاندانوں کا آپس میں ملنا جلنا بہت زیادہ تھا۔اور کامران بہت پہلے ہی سے نیلم کو پسند کرتا تھا۔یہی وجہ تھی کہ شادی کے بعد وہ اپنے آپ کو دنیا کا خوش قسمت ترین انسان سمجھ رہا تھا۔مگر۔۔۔

مگر نیلم اپنے شوہر کے ساتھ دیانت دار نہ تھی۔کامران بے حد باظرف انسان تھا۔ جو بیوی کی سردمہری کو اس کی جھجک سمجھتا رہا۔۔۔

رات گھر والے سب کامران سمیت دعوت میں گئے تھے۔نیلم سردرد کا بہانہ بنا کر کے گھر پر ہی تھی۔نو بجے کے بعد اکیلے پن سے اکتا کر اس نے ٹی وی آن کرلیا۔اتفاق سے نیوز چینل شروع ہوگیا۔جس میں آج کی تازہ ترین خبریں تھی کہ ملک شیرازی چند لڑکیوں کو ملک سے باہر لے جانے کی کاروائی میں پولیس کے ہاتھوں پکڑا گیا تھا۔۔۔تفصیل بتائی جارہی تھی کہ وہ شخص اپنی مردانہ وجاہت و دولت کی وجہ سے بہت جلد معصوم، بھولی بھالی لڑکیوں سے عشق کرنے کا ڈرامہ کرتا۔ان کو اچھے مستقبل کا جھانسہ دے کر دور دراز مقامات

پر لے جا کر ان کی قیمت وصول کیا کرتا تھا۔ آگے کیا کیا بتا گیا اسے کچھ ہوش نہ تھا۔ اپنے ہونے والے انجام کو سوچ کر اب اس کی آنکھیں کھل گئیں تھیں کہ ماں باپ کبھی اپنی اولاد کا برا نہیں چاہتے۔ کتنا اچھا ہوا ابا نے کامران سے شادی کر دی۔ لعنت ہو مجھ پر میں نے اتنے اچھے گھرانے اور صاف دل کامران کی قدر نہ کی۔ کامران آپ تو میرے لئے فرشتہ ہیں ۔۔۔ایک نیا عزم لیکر وہ اٹھی۔۔۔ وضو کیا۔ نماز پڑھی۔ رو، رو کر اپنے رب کے آگے توبہ کی۔ کچھ سکون ہوا تو کامران کا انتظار کرنے لگی۔ رات گیارہ بجے جب وہ سب لوگ دعوت سے واپس آئے تھے، جیسے ہی کامران بیڈ روم میں داخل ہوا نیلم کو بے قراری سے اپنی طرف بڑھتے دیکھ کر پریشان ہو گیا۔ ’’نیلم کیا ہوا؟‘‘ کامران اپنی باہیں پھیلائے اس کی طرف بڑھا۔

’’کامران‘‘ بے قراری سے وہ اس کی کھلی باہوں میں سما گئی اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔۔۔ دل سے صدا ابھر رہی تھی کہ ’’یہ دل کی بات ہے، دل میں رہے تو اچھا ہے‘‘

نیلم نے کامران کو اپنا ہمسفر، شریک حیات، زندگی بھر کا ساتھی نہ صرف مان لیا تھا بلکہ سچے دل سے اس کی ہم قدمی کو قبول بھی کر لیا تھا۔ محبت نے دل جیتنے کا دن سیکھ لیا تھا۔ اپنی خوشیوں کے ساتھ زندگی گزارنے کا فلسفہ اپنا کر اس نے سارے گھر والوں کے دل جیت لئے تھے۔ زندگی کی شاہراہ پر کامران کے ساتھ قدم سے قدم ملا کر چلتے ہوئے وہ اپنے آپ میں ایک نئی توانائی محسوس کر رہی تھی۔۔۔

☆☆☆

رہبر پرتاپ گڑھی
پرنسپل، سوامی وویکانند کالج، سیتاپور (یوپی)

غزل

عیادت کو ہماری جو کبھی آیا نہیں کرتے
انھیں شکوہ ہے، ہم سے ہم خیال ان کا نہیں کرتے

صداقت اور حق گوئی ہماری عین فطرت ہے
حمیت اور غیرت کا کبھی سودا نہیں کرتے

ہمارا راہبر اچھا، ہمارے ہم سفر اچھے
ہم ایسے ویسوں سے ہرگز ڈگر پوچھا نہیں کرتے

ہمیں تفریق رنگ ونسل کی اچھی نہیں لگتی
کبھی ناموس انسانی کو ہم رسوا نہیں کرتے

ضرورت ہو تو ہم حق کے لیے قربان ہو جائیں
بہ جز رب کے کسی کے در پہ ہم سجدہ نہیں کرتے

بہ ہر پہلو یہ دنیا مات دے دیتی ہمیں رہبر!
اگر ہم اہل ایماں حوصلے پیدا نہیں کرتے

اردو شعر و ادب کا درویش صفت شاعر: عظیم انصاری

روشنی، ہواؤں، چراغوں اور آندھیوں کی کشمکش میں ہی ادب پروان چڑھتا ہے۔شاعر یہ راز جانتا ہے اور حالات کے جبر میں بھی وہ تخلیق کی دنیا سے لاتعلق نہیں رہتا۔اظہار کا کوئی نہ کوئی ذریعہ زندگی کی کشمکش کو انسانی شعور کے سامنے پیش کرتا ہے، شاعری میں غزل بھی انھی وسیلوں میں شامل ہے۔عظیم انصاری کی غزل واردات قلبی اور آشوب شہر کے مختلف روپ اور رنگ ہیں۔ یہ رنگ کہیں مدھم کہیں چوکھے اور کہیں روایتی ہیں۔لیکن ان رنگوں کی اثر آفرینی سے انکار نہیں۔اس مضمون میں روح کے رقص کو غزل بناتے شاعر عظیم انصاری کی شاعری کا مختصر تذکرہ ہے، غزل ہندی شعری روایت کی ملکہ ہے۔اور آج تک راج کر رہی ہے۔

زیر تبصرہ مٹھی میں دنیا عظیم انصاری کی غزلیات کا مجموعہ ہے۔الضحیٰ پبلی کیشنز نے یہ مجموعہ 2023 میں کولکتہ سے شائع کیا ہے۔عظیم انصاری کا وطن گورکھپور ہے آپ 1956 میں پیدا ہوئے لیکن شاعری کی ابتدا بہت بعد میں کی۔ان کا شعری سفر 1981 میں باقاعدہ شروع ہوا۔جناب صابر اقبال سے رشتہ تلمذ ہے۔عظیم انصاری آن لائن جریدہ 'کائنات' کے ایسوسیٹ ایڈیٹر ہیں۔انجمن ترقی اردو ہند(شاخ: بنگال) کے تحت بھی مختلف خدمات انجام دے رہے ہیں۔اس سے قبل ان کا ایک شعری مجموعہ ''مدتوں بعد'' شائع ہو چکا ہے۔ بنگلہ کہانیوں کے تراجم کتاب ''دو گھنٹے کی محبت''، بھی شائع ہو کر اہل علم کے حلقوں میں داد پا چکی ہے۔عظیم انصاری کو میر امن دہلوی ایوارڈ بھی دیا گیا۔''مٹھی میں دنیا'' میں شامل غزلیات، متفرق اور روایتی موضوعات پہ ہیں۔لیکن مختصر، چھوٹی بحر اور بڑی ردیف کے تجربے اور چونکانے والے اشعار بھی عظیم انصاری کے شعری اثاثے موجود ہیں۔محترم کا انسانی مزاجوں کا مطالعہ اور احساس کی دنیا کی عکاسی کا یہ شعری ہنر قابل تحسین اس لحاظ سے بھی ہے کہ یہ ان کی پختہ شعوری کے زمانے کی کاوش ہے۔اگر چہ شاعری اور تخلیق کی دنیا میں عمر کی کمی بیشی جذبوں کی حدت اور گہرائی کے حوالے سے کچھ خاص فرق کے باعث نہیں۔لیکن فن پارے میں کہیں نہ کہیں یہ فرق موجود بھی ہوتا ہے۔ ایک تخلیق کار کے گرد احساس کی دنیا سانس لیتی ہے۔ وہ دنیا کو حرف میں پروتا ہے، معنی میں سموتا ہے اور ہمارے سامنے رکھ دیتا ہے۔ابر اور روشنی کی اسی کشمکش کا نام شاعری ہے۔دل کو عقل کی مٹھیوں میں رکھنا اور کہیں دل کی ہی مانتے چلے جانا انسانی جذبوں کے کہانی کی سمتیں اور جہتیں ہیں۔عظیم انصاری عقل کی سیاست سے ذرا بچ کے ہی غزل سے ہم کلام ہیں۔ان کی تشبیہات میں غزل روح کا یوں رقص کناں ہونا ہے۔یہ مطابق عظیم انصاری۔

روشنی مات کھا گئی آخر
ابر جس دم چراغ تک پہنچا

دل کو رکھنا ہے ذرا عقل کی مٹھی میں عظیم
اب ستم گر کے ارادے نہیں اچھے لگتے

عقل جب پاس کھڑی ہو تو کہاں ہوتی ہے
روح جب رقص کناں ہو تو غزل کہتا ہوں

بات حسن معانی کی ہو حسن صوری کی ہو یا تخلیق کی دنیا کی نزاکتوں کی ہو۔ شاعری کہیں نہ کہیں ان سب کیفیات سے ہو کے گزرتی ہے۔ کہیں محبت کہیں ہجر کہیں وصل اور کبھی ذات اور کائنات کے دکھ انسانی نفسیات میں تخلیق کے جوہر کو جگائے رکھتے ہیں۔ حسن مجسم خاموش ہو تو گماں کی وادی میں شور اٹھتا ہے، اور متاع گم شدہ کو تلاش کرنے کی جستجو بڑھنے لگتی ہے۔ یہ کفن بھی ہے، انتظار بھی ہے اور یہ سفر بھی ہے۔ لطف عاشقی میں جوش جنوں شاعر کو بے تاب عاشق کو مضطرب اور محبوب کو بت نیاز کر دیتا ہے۔

وہ حسن مجسم کہاں بولتا ہے
حقیقت میں میرا گماں بولتا ہے

شاید کہ نکل آئے کسی روز ادھر وہ
منزل کا پتہ اپنا بتا کیوں نہیں دیتے

آئے گا لطف خاک تجھے عاشقی میں اب
جوش جنوں جو عشق کے عنوان میں نہیں

عظیم انصاری کے اشعار، ان کے ادراک اور گہرے انسانی شعور کے نمائندہ ہیں۔ نرگس کو ہمیشہ دیدہ ور کی ضرورت رہتی ہے۔ ایک شاعر کو دیدہ ور قاری کی ضرورت رہتی ہے۔ لیکن ہمیشہ سے نرگس کو اپنی چارہ گری کے لیے ایک چارہ گر کا انتظار ہی رہا ہے۔ نرگس کی بیماری اس کے عشاق کا موجود ہونا ہے۔ یہاں نرگس بیمار سے مراد محبوب بھی ہے اور غزل بھی۔ اہل جنوں میں ہر دیدہ ور اس کا ادراک نہیں کر پاتا ہے۔ زندگی کے نشیب و فراز مزید کہانی میں بدلتے وقت کے ساتھ در آئے موڑ ہمیشہ سے ان سب ے چینیوں کا باعث رہے ہیں۔

پہچان لے جو نرگس بیمار کی نگاہ
اہل جنوں میں ایسا کوئی دیدہ ور کہاں

الجھا ہوا ہے ذہن نشیب و فراز میں
آیا ہے ایک موڑ کہانی میں ان دنوں

اپنے مکاں کی خاک گراں بار ہوگئی
نشہ ہے کتنا نقل مکانی میں ان دنوں

فلک پہ اڑتی پتنگوں کو کیسے کاٹیں عظیم
ہمارے مانجھے میں پہلی سی دھار تھوڑی ہے

زمانے کی نظروں پہ میری نظر ہے
اسی بات کا اب زمانے کو ڈر ہے

خوشی جب ملی تو ملی اجنبی سی
رفاقت غموں سے مگر عمر بھر ہے

عظیم انصاری کی غزل روایتی موضوعات کے باوجود ایک دھیمی سی آنچ پر اپنے قاری کے جذبوں کی نمائندہ ہے۔ روایات اور عصری حسیت ان اشعار میں موجود ہیں۔ ان کی شاعری میں ذات کے دکھ بھی موجود ہیں اور سماج کے دکھ بھی۔ وہ عام انسان کے دکھ سے بے نیاز نہیں۔ اس زمانے کا شاعر کسی بھی صورت درپیش صورت حال سے لاتعلق نہیں رہ پاتا ہے۔ وہ سیاست ریاست اور سماجی عدم برداشت کو اپنے اظہار کے وسیلے سے اپنی تخلیقات کا موضوع بناتا ہے۔

نئی صدی مسائل الجھنوں اور مجبوریوں کی صدی ہے۔ اس صدی میں بلا تخصیص صنف ہر انسان متاثر ہوا ہے۔ عظیم انصاری کا یہ شعر اس عصری اذیت کا نمائندہ شعر ہے

حساس دل نے خون کے آنسو بہائے ہیں
جب بھی کسی شجر کی قبا لے گئی ہوا

مثال دینی ہے تجھ کو اگر جہنم کی
نئی صدی کے سلگتے ہوئے بدن کو دیکھ

عظیم انصاری کی کتاب کے دیباچہ نگار لکھتے ہیں کہ عظیم انصاری نے جزوی طور پر شاعری کا شغل اختیار کیا لیکن پھر خود کو پوری طرح شاعری کے لیے وقف کر دیا۔ عظیم انصاری کے شعری ارتقاء کو دیکھتے ہوئے لگتا ہے کہ اس پختہ عمری میں خود کو شاعری کے لیے دستیاب رکھنا ایک الگ اور خوبصورت تجربہ ہے۔ عظیم انصاری کی شاعری میں ایک فطری ٹھہراؤ دراصل اسی شعوری وابستگی کا نتیجہ ہے۔ وہ اپنی شاعری اور زندگی کو کس گہرائی سے دیکھتے ہیں۔ ان کے یہ اشعار زندگی کے حوالے سے ان کے مسلک اور شعور کے غماز ہیں۔

ردیفِ نو سے نہ ہی قافیے سے آئی ہے
مری غزل میں چمک تجربے سے آئی ہے

زندگی کا نظریہ جہاں کچھ نہیں
زندہ رہنے کا مقصد وہاں کچھ نہیں

زندگی میں وہ حاصل کرے گا بھی کیا
جس کے دل میں یقین و گماں کچھ نہیں

رنگ و خوشی کے میل سے بنتی ہے زندگی
ان کے بغیر زندگی پھر زندگی کہاں

زندگی جینے کی پھر کون سی صورت ہوگی
جب اندھیروں کی اجالوں پہ حکومت ہوگی

وہ شیخ و برہمن کو بھی مخاطب کرتے ہیں۔ لیکن انسانی طبقات کی شدت پسندانہ تقسیم ہی ایسے اظہار یہ پہ مجبور کرتی ہے۔ چراغوں کی بے بسی کہ وہ کب اور کس کے لیے روشن رہیں۔ یہ روشنی پر بھی انسانی دسترس اور کھینچا تانی موجود اندھیرے کا باعث ہے۔

شیخ جی ہیں الگ برہمن بھی الگ
اس جہاں میں کہاں ہر بشر ایک ہے

کوئی بتائے بھلا اس میں کیا دیے کی خطا
کوئی جلاتا ہے اس کو کوئی بجھاتا ہے

عظیم انصاری کے ہاں آپ کو محبت ہجر فراق اور واردات قلبی کی کسک اور خوشبو ملے گی۔ کوئی بھی انسان ان خوبصورت جذبوں کی کشش سے خود کو بچا نہیں سکتا ہے۔ ان کا غم ہجر بھی کہیں نہ کہیں حرفوں کے چلمنوں سے جھانکتا دکھائی دیتا ہے۔ اور محسوس ہوتا ہے کہ محبت ہجر اور ناسودگی انسان کے مشترکہ دکھ ہیں۔

ہجر میں درد کا مہتاب ادھورا نکلا
کیسی تعبیر کہ جب خواب ادھورا نکلا

گھبرا کے شہر غم سے میں بھاگوں تو کس طرف
مے خانہ ہے قریب نہ صحرا قریب ہے

عظیم انصاری کی غزل روایت اور جدت کا امتزاج ہے۔ کولکتہ کی شعری روایت اور اردو غزل کے عمومی رجحان کے باجود موصوف کے اشعار میں ہمیں کچھ الگ سا آہنگ محسوس ہوتا ہے۔ یہ رنگ شاعر کی حساسیت اور گہرے ادراک کی وجہ سے ہوتا ہے۔ تخلیق کار پر حالات کی شدتیں بہت گہرا اثر چھوڑتی ہیں۔ اور وہ ان سے بچنے کے لیے اپنی تخلیق میں پناہ لیتا ہے۔ اور پھر اس کے سارے دکھ درد اس کے اس اظہاریے میں دکھائی دینے لگتے ہیں۔ درویش مزاج اور اپنے شعری مراقبے میں مشغول ہمارے شاعر یقیناً شعر کی دنیا میں حرف کے چراغ جلاتے رہیں گے۔

ڈاکٹر محمد ناظم علی۔نظام آباد

ماہنامہ ''صدائے شبلی'' حیدرآباد جولائی 2019 پر تبصرہ

ماہنامہ صدائے شبلی جولائی 2019 کا شمارہ زیر مطالعہ ہے جس کے مدیر ڈاکٹر محمد محامد ہلال اعظمی ہیں، نائب مدیران میں ڈاکٹر سراج احمد انصاری، ڈاکٹر عبد القدوس اور ابوہریرہ یوسفی قابل ذکر ہیں، اس کی مجلس مشاورت میں پروفیسر اشتیاق احمد ظلی، استاد الاساتذہ حضرت رحمٰن جامی، پروفیسر مظفر علی شہہ میری، پروفیسر محسن عثمانی ندوی، پروفیسر ابوالکلام، پروفیسر شاہد نوخیز اعظمی، ڈاکٹر محمد الیاس اعظمی، مولانا ارشاد الحق مدنی، مولانا محمد مساعد ہلال احیائی، اعجاز علی قریشی ایڈوکیٹ، محمد سلمان انجینئر۔مجلس ادارت میں ڈاکٹر محمد رفیق، ڈاکٹر حمران احمد، ڈاکٹر جاید کمال، ڈاکٹر مختار احمد فردین، ڈاکٹر غوثیہ بانو، ڈاکٹر سید امام حبیب قادری، ڈاکٹر سمیہ تمکین، ڈاکٹر فاروق احمد بھٹ، ڈاکٹر محمد زبیر، ڈاکٹر مصطفیٰ خان، ڈاکٹر محمد فضیل ندوی، ڈاکٹر مصلح الدین نظامی، ابوہریرہ ایوبی، محسن خان شامل ہیں۔اس علمی، ادبی، سائنسی، مذہبی سماجی اور معلوماتی شاہکار شمارہ کا جلد نمبر 2 شمارہ 17 ہے اس کا ISSN2581-9216 نمبر ہے، اداریہ اپنی باتیں میں ہندوستان میں ہونے والے ہجومی واقعات کے تدارک کے لئے قانون سازی کو ناگزیر قرار دیا ہے، ایسے واقعات سے ملک کی ترقی روک جائے گی۔مسیح الدین نذیری کی حمد باری تعالیٰ، فضیل فوز کی نعت شریف بہت عمدہ ہے، علامہ شبلی نعمانی نے عبادات نبوی ﷺ میں نبی کی زندگی، تعلیمات پر روشنی ڈالی ہے، محمد الیاس الاعظمی نے دیباچوں میں ذکر شبلی کا مطالعہ میں مولانا عبدالماجد دریابادی کے حوالے سے تفصیل سے لکھا گیا ہے۔مولوی صفوۃ الرحمٰن صابر قرآن کو اللہ کی کتاب ماننے کا بنیادی تقاضہ میں قرآنی حوالوں سے بات کو ثابت کیا ہے، ڈاکٹر مولانا محمد رفیق قاسمی مذہب اسلام اور قرآن کی حقانیت میں اسلام میں قرآن کی عظمت واہمیت کو بتلاتا ہے۔محمد منتظم کے فلسفہ دانائی کی تلاش کا نام ہے قرآن کے حوالوں سے اپنی بات رکھی ہے۔ظفر الاسلام ڈاکٹر شکیل اعظمی کی شاعری میں ان کی حیات اور فکر وفن کو پیش کیا ہے۔ڈاکٹر سردار سلیم نے در مدح بینگن میں بینگن ترکاری میں جو خصوصیات پائے جاتے ہیں اور بینگن پر کتنے محاورے بن گئے ہیں ان کا موثر انداز سے احاطہ کیا ہے۔فہمیدہ عائشہ نے اردو میں بچوں کے رسائل کی صورت حال پر مختصر مگر متاثر کن مضمون لکھا ہے، آج بچوں کے رسائل بہت کم نکلتے ہیں، بچوں کی اب تفریحات وذہن سازی کی چیزیں سیل فون، فیس بک، واٹس ایپ میں مل جاتی ہیں، اس لئے رسائل کم نکلتے ہیں۔خیر النساء علیم عورت ایک مکمل روپ میں عورت سے بننے والے رشتے عورت کی اہمیت، عظمت، کردار پر روشنی ڈالی ہے۔سیدہ تبسم منظور ناڈکر ممبئی نے صبر لکھ کر تلقین کی ہے، صبر کا پھل میٹھا ہوتا ہے اور اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے، صبر سے بہت سے فوائد حاصل ہوتے ہیں۔

تذکرہ اولیاء ہند حکیم شاہ محمد خیر الدین قادری صوفی نبیرہ شاہ چراغ دکن حیدرآباد نے حضرت سید شاہ نور محمد قادری نجفی کی زندگی حیات اور کارنامے بیان کئے ہیں، عالم کی ہر چیز خدا کی گواہی دیتی ہے اور امن اسی کے راستے سے آئے گا۔ڈاکٹر شیخ محمد اسماعیل بن قاسم کی کانفرنس کی روداد شامل ہے۔42 صفحات کا رسالہ وشمارہ اپنے اندر ہمہ پہلو ادبی تقاضہ لئے ہوئے ہے اور اسلام واسلامیات سے آگہی وشعور حاصل ہوتا ہے۔

برادرِ شبلی مہدی حسن اوران کے مکاتیب لندن

ماہنامہ صدائے شبلی میں ہر ماہ ادارے کی طرف سے کتاب پر تبصرہ کیا جائے گا،اس لئے مصنفین ،مولفین اور مرتبین سے گزارش ہے کہ وہ تبصرے کے لئے دوعدد کتابیں ضرور ارسال کریں۔(ادارہ)

تبصرہ نگار: ابراہیم افسر،میرٹھ(یو۔پی)

نام کتاب: برادرِشبلی مہدی حسن اوران کے مکاتیب لندن

مرتب: ڈاکٹرمحمد الیاس الاعظمی

سنہ اشاعت: 2023

ضخامت: 176 صفحات

قیمت: 300 روپے

ناشر: ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، انصاری روڈ، دریا گنج،نئی دہلی-110002

تبصرہ نگار: ابراہیم افسر، وارڈ نمبر 1، مہپا چوراہا،نگر پنچایت سوال خاص، میرٹھ(یو۔پی) 250501 موبائل 9897012528

زیر تبصرہ کتاب ''برادرِ شبلی مہدی حسن اور ان کے مکاتیب لندن'' کو ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی نے برسوں کی محنت شاقہ کے بعد مرتب کیا ہے۔اس کتاب میں انھوں نے مہدی حسن کے 60 غیر مطبوعہ خطوط کو شامل کیا ہے جو انھوں اپنے والد محترم شیخ حبیب اللہ،شبلی نعمانی اور شیخ مجیب اللہ کے نام لندن میں دورانِ تعلیم رقم کیے تھے۔ان خطوط کو الیاس صاحب نے حواشی و تعلیقات اور تاریخی ترتیب کے ساتھ جمع کیا ہے۔الیاس صاحب نے اپنے ''حرفِ آغاز'' میں اس بات کی وضاحت کی کہ وہ مہدی حسن کے خطوط کو ایک زمانے سے ترتیب دینا چاہتے تھے لیکن بعض وجوہات کی بنا پر یہ کام التواع میں پڑا رہا۔وہ لکھتے ہیں کہ مہدی حسن اور ان کے مکاتیب کی اہمیت کے پیش نظر ناچیز نے اُردو کے اس بھولے بسرے ادیب و انشا پرداز کے مکتوبات سے دل چسپی لی۔ان کے حالات وسوانح وآثار و باقیات نہایت تلاش و تفحص سے یک جا کیے اور برسوں سے ہم پر مہدی حسن مرحوم کا جو قرض تھا اسے ادا کرنے کی کوشش کی۔

ڈاکٹر الیاس اعظمی نے زیر تبصرہ کتاب کو تین حصوں میں تقسیم کیا ہے۔پہلے حصے میں مہدی حسن کے احوال وآثار کے علاوہ ان کی مکتوب نگاری کے مختلف پہلوؤں پر بحث کی گئی ہے۔دوسرے حصے میں مہدی حسن کے دستیاب شدہ، مطبوعہ اور غیر مطبوعہ خطوط کو جمع کیا گیا ہے۔تیسرے حصے میں الیاس صاحب نے مہدی حسن کے خطوط پر 75 تعلیقات وحواشی لکھے ہیں۔موصوف نے اپنے پیش لفظ میں اس بات کی وضاحت کی کہ ڈاکٹر ابن فرید نے مہدی حسن کے خطوط کی تعداد 62 لکھی ہے جب کہ ڈاکٹر شبنم سبحانی نے مہدی حسن کے کل خطوط کی تعداد 50 بتائی ہے۔الیاس صاحب نے اپنی تلاش و تحقیق سے ان بوسیدہ اور کٹے پھٹے اوراق کو عرق ریزی اور آنکھوں سے تیل ٹپکانے والے عمل کے ساتھ کتابی قالب میں پیش کیا۔

الیاس صاحب سے قبل بھی بعض لوگوں نے مہدی حسن کے خطوط کو یک جا کرنے کی کوشش کی لیکن وہ وپنے مشن میں ناکام رہے۔دراصل مہدی حسن کے خطوط اعظم گڑھ کے کسی نا

معلوم شخص کے پاس تھے۔اس کی خبر چند لوگوں کو تھی۔جن میں ڈاکٹر ابن فرید، شبنم سبحانی اور شیخ محمد اکرام کے نام قابلِ ذکر ہیں۔ان لوگوں نے مکاتیبِ مہدی حسن پر مضامین لکھ کر شائع کیے۔ڈاکٹر ابن فرید کا مضمون بہ عنوان ''محمد مہدی کے مکاتیب لندن'' رسالہ آج کل، نئی دہلی جون 1963 میں شائع ہوا۔یہی مضمون ماہ نامہ ''ادیب'' علی گڑھ جولائی تا اگست 1963 میں شائع ہوا۔ان مضامین کے شائع ہونے کے بعد مکاتیب مہدی حسن میں لوگوں کی دل چسپی بڑھنے لگی۔قارئین کی خواہش کے سبب موصوف نے ان کے پانچ غیر مطبوعہ خطوط کو ''شوق کا دفتر کھلا'' عنوان سے رسالہ'' ادیب'' علی گڑھ میں شائع کیے۔اس کے بعد ڈاکٹر شبنم سبحانی نے ان خطوط کا مطالعہ کرنے کے بعد ایک تفصیلی مضمون سپردِ قلم کیا جوان کی کتاب ''ادب اور وابستگی'' میں شامل ہے۔

ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی نے مہدی حسن کے سوانحی کوائف کو ''مہدی حسن بیرسٹر: احوال و آثار'' عنوان کے ساتھ شاملِ کتاب کیا ہے۔اس سوانحی کوائف کے مطالعے سے ہم مہدی حسن کی شخصیت، تعلیم حاصل کرنے کا جنون، اپنے والدین کے ساتھ حسنِ سلوک، کتب بینی، شادی بیوی اور بچے، وکالت اور منصفی، علالت، وفات ان کے نظریات و افکار سے روشناس ہوتے ہیں۔ان سوانحی حالات کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ مہدی حسن جب علی گڑھ میں زیر تعلیم تھے تو ان کے والد شیخ حبیب اللہ، شبلی نعمانی کے ساتھ ان سے ملنے آتے تھے۔خود سر سید احمد خاں نے اس بات کا تذکرہ اپنے خطوط میں کیا ہے۔ مہدی حسن کے علی گڑھ میں زیر تعلیم رہتے ہوئے شبلی نعمانی وہاں پروفیسر بن چکے تھے۔مہدی حسن کے خطوط سے یہ بھی واضح ہوتا کہ ان کے لندن میں زیر تعلیم ہو جانے کی وجہ سے شیخ حبیب اللہ مقروض ہو گئے تھے۔جس کی وجہ سے شبلی نعمانی کو بھی حیدر آباد میں سر رشتہ تعلیم کی ملازمت اختیار کرنا پڑی۔مہدی حسن کے لندن میں قانون کی تعلیم حاصل کرنے کی وجہ سے وہ اعظم گڑھ کے پہلے بیرسٹرایٹ لا بنے۔حالاں کہ الیاس صاحب نے اس مہدی حسن کی تاریخ ولادت کے تعلق سے لکھا ہے کہ کافی تلاش بسیار کے بعد انھیں مہدی حسن کی صحیح سنہ ولادت معلوم نہ ہوسکی، بس وفات کا ماہ و سال ہی معلوم ہوسکا ہے۔

کتاب میں شامل تمام خطوط کو مہدی حسن نے لندن میں قانون کی پڑھائی کے دوران لکھا تھا۔ان خطوط میں انھوں نے اپنی انگریزی کے بہتر ہونے اور اُردو کے کمزور ہو جانے کا ذکر اپنے والد سے کیا ہے۔ان خطوط میں بعض مقامات پر درست املا کا فقدان نظر آتا ہے۔الیاس صاحب کے مطابق مہدی حسن نے ڈاڑھی کو داڑھی، پٹخ کو پٹک، بالکل کو باالکل، بالفعل کو باالفعل اور کل کو کلہ، ٹھنڈا کو ٹھنڈھا، تیار کو طیار لکھا ہے۔ حالاں کہ مہدی حسن نے اپنے آبائی وطن میں حفظِ قرآن کے علاوہ اُردو فارسی کی تعلیم حاصل کی۔اس کے بعد مولانا محمد فاروق چریا کوٹی سے عربی و فارسی کا درس حاصل کیا تھا۔اس کا اثر ان کے خطوط میں جا بجا نظر آتا ہے۔ان کی انگریزی دانی کا لوہا اہلِ زبان نے بھی مانا۔انھوں نے انگریزی تعلیم اعظم گڑھ سے حاصل کی۔علی گڑھ اور لندن میں قیام اور تعلیم کی وجہ سے انھوں نے انگریزی زبان میں مہارت حاصل کی ۔اس وجہ سے وہ طلبائے کیمبرج کی تنظیم کے صدر منتخب کیے گئے۔لندن میں قیام کی وجہ سے انھیں انگریزی زبان پر عبور حاصل تو ہوا لیکن ان کی اُردو کمزور ہوگئی۔اس تعلق سے وہ اپنے والد شیخ حبیب اللہ کو لکھتے ہیں:

''والد صاحب! مجھ کو افسوس ہے کہ میری اُردو زبان روز بہ روز خراب ہوتی جاتی ہے اور اب میں خط اُردو میں اس سہولت اور آسانی کے ساتھ

نہیں لکھ سکتا جیسا کہ پیشتر لکھ سکتا تھا مگر انشاء اللہ ہندوستان آنے کے بعد سب درست ہو جائے گا۔امید ہے کہ آپ میرے املا و محاورہ کی غلطیوں کو معاف فرمائیں گے۔''

بعض خطوط کی ورق گردانی سے معلوم ہوتا ہے مہدی حسن ایک روشن خیال انسان تھے۔انھوں نے اپنے چچا شیخ مجیب اللہ کے نام 2اپریل 1886 کو لکھے خط میں اس بات کی جانب واضح اشارے دیے کہ جب لڑکا اور لڑکی بالغ ہو جائیں تو انھیں اپنی پسند کی شادی کرنے کا حق ملنا چاہیے۔دراصل ان کے چچا اپنے بیٹے عفان احمد کی شادی اپنی مرضی سے کرنا چاہتے تھے۔جب یہ بات مہدی حسن کو معلوم ہوئی تو انھوں نے اس بات کی سخت مخالفت کی۔چچا کے نام لکھے گئے طویل خط میں مہدی حسن کی روشن خیالی کے دیدار جا بجا ہوتے ہیں۔ان کی نظر میں یہ رسم کسی ظلم سے کم نہیں۔موصوف کا اس بارے میں کہنا تھا کہ اس رسم کی وجہ سے بعض لوگ تلخ زندگی بسر کرتے ہیں اور والدین سن تمیز سے پہلے ہی ایک سخت اور مضبوط رسی گلے میں باندھ دیتے ہیں۔وہ مزید لکھتے ہیں کہ:

''چچا صاحب! آپ اپنے سب لڑکوں پر یہ ظلم کر چکے ہیں۔اب ایک عفان رہ گیا ہے۔اس پر تو رحم کیجیے۔مجھ سے اکثر لوگوں کی یہاں اس موضوع پر گفتگو ہوتی ہے۔یہاں لوگوں کو سخت تعجب ہوتا ہے کہ لڑکوں کے ماں باپ ان کے میاں یا بیوی تلاش کرتے ہیں۔ایک لیڈی نے ایک دن مجھ سے کہا کہ لڑکے کا باپ اس کی بیوی جو تجویز کرتا ہے تو اپنے لیے یا لڑکے کے لیے؟ میں نے کہا کہ لڑکے کے لیے۔اس پر اس لیڈی نے مجھ حیرت زدہ ہو کر پوچھا کہ باپ اور بیٹے دونوں کی پسند اور تجویز ہمیشہ یکساں ہوتی ہے۔ میں نے کہا کچھ ضروری نہیں کہ یکساں ہو۔اس پر وہ بولی کہ لڑکا اس کو پسند نہ کرے تو باپ کیا کہتا ہے؟''ارے کم بخت تجھے پسند ہو یا نہ ہو مجھے تو پسند ہے۔'' چچا صاحب! میں حقیقت میں اس فقرے کو سن کر شرمندہ ہو گیا...ایک لڑکی ہماری تمام گفتگو سن رہی تھی، بولی کہ...ہندوستان میں نہیں پیدا ہوئی اور ہم ہندوستانی نہ ہوئے ورنہ انجانے شخص سے میرا بیاہ کر دیتے۔''(ص 106)

بہر کیف!ڈاکٹر الیاس الاعظمی مبارک باد کے مستحق ہیں کہ انھوں نے خانوادۂ شبلی کے ایک اہم فرد مہدی حسن کے خطوط کو بڑی ہی جاں فشانی کے ساتھ مرتب کیا ہے۔انھوں نے ان خطوط کی جمع آوری کے لیے اصل ماخذ تک رسائی حاصل کی۔یہ الیاس صاحب کی محنت شاقہ کا مسلم ثبوت ہے۔انھوں نے ان خطوط کی کتابت میں جو لفظ پڑھے نہ جا سکے کے لیے(.....) کا استعمال کیا ہے۔مہدی حسن کے املا کو جوں کا توں رکھا گیا ہے۔بعض جگہ علاقائی لفظوں کی وضاحت حواشی میں کی گئی ہے۔کچھ الفاظ کا املا جدید املا سے بدل دیا گیا ہے۔کتاب برادر مکرم سہیل احمد اصلاحی (سابق پرنسپل شبلی نیشنل انٹر کالج اعظم گڑھ) کی بے پناہ محبتوں کے نام معنون کی گئی ہے۔میں امید کرتا ہوں کہ یہ کتاب مکتوباتی ادب میں دل چسپی رکھنے والے قارئین کو اپنی جانب متوجہ کرنے میں ضرور کامیاب ہوگی۔

☆☆☆

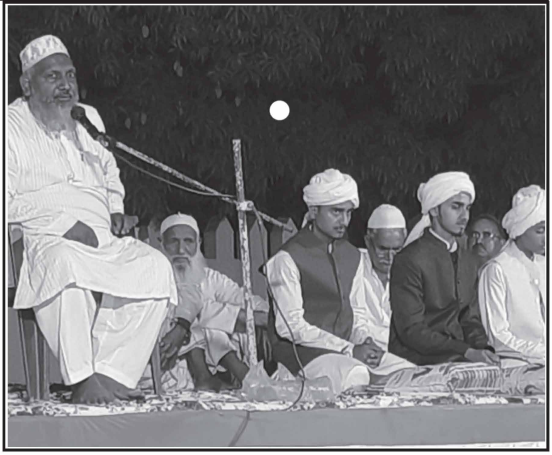

موضع ککرہٹہ ضلع اعظم گڑھ اتر پردیش میں
مولانا ڈاکٹر محمد محامد ہلال اعظمی چیرمین شبلی انٹر
نیشنل ایجوکیشنل ٹرسٹ حیدرآباد سالانہ جلسہ
دستار بندی وانعامات کے موقع پر خطاب اور
طلباء وطالبات کی حوصلہ افزائی کرتے ہوئے۔

DR. S.J HUSSAIN
MD (Unani)
Former director Incharge
Central Research Institute Of Unani Medicine
Govt of India

website: www.unanicentre.com
Email:syedjalilhussain@gmail.com
jaleel_hussain@yahoo.com

Dr. Jaleel's

یونانی سینٹر فار کارڈیک کیر

UNANI CENTER FOR CARDIAC

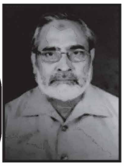

Consultation Time
Morning: 9:00 am to 2:00 pm
(Friday Morning and Sunday Evening Closed)

Cell:
+91 8142258088
+91 7093005707

Adress -: No: 8-1-332/3/B-69, RoadNo 1(A)Arvind Nagar Colony
Tolichowk Hyderabad - 500008 T.S India

شبلی انٹرنیشنل ایجوکیشنل اینڈ چیریٹیبل ٹرسٹ، حیدرآباد

SHIBLI INTERNATIONAL EDUCATIONAL & CHARITABLE TRUST

SIECT

Regd. No. 180/2016

مدرسہ و مسجد کے تعاون کی اپیل

حدیث نبوی ﷺ ہے خَیْرُکُم مَنْ تَعَلَّمَ القُرآنَ وَعَلَّمَہ ۔تم میں بہترین انسان وہ ہے جو قرآن سیکھے اور سکھائے۔اس حدیث سے علم اور قرآن علم کی اہمیت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔اسی علم کی نشرواشاعت کے لئے **مدرسہ اسلامیہ نجم العلوم** ۱۵رجنوری ۲۰۱۷ء کو قائم کیا گیا تاکہ امت مسلمہ کے نونہالان زیور علم سے آراستہ ہوں اور ملک وملت کی خدمت میں وقف ہو جائیں۔ اللہ تعالیٰ اسے قبول فرمائے۔آمین یارب العلمین۔

مدرسہ ہذا کی کوئی مستقل آمدنی نہیں ہے۔جملہ اخراجات کی ادائیگی اہل خیر حضرات کے تعاون سے ہوتی ہے۔

الحمدللہ مدرسہ میں تعمیری کام بھی جاری ہے،اس وجہ سے اہل خیر حضرات سے گذارش ہے کہ مدرسہ کا نقد یا اشیاء کے ذریعہ تعاون فرما کر یا کسی طالب علم کی کفالت لیکر شکریہ کا موقع عنایت فرمائیں۔نوازش ہوگی۔

مسجدِ الٰہی

زیر انتظام شبلی انٹرنیشنل ایجوکیشنل اینڈ چیریٹیبل ٹرسٹ حیدرآباد کا تعمیری کام جاری ہے۔الحمدللہ ثم الحمدللہ ایک مخیرّہ خاتون نے 126 گز اراضی ٹرسٹ ہذا کو مسجد کے لئے وقف کیا ہے، اللہ تعالیٰ مخیرّہ کو دونوں جہاں میں بہترین بدلہ دے، آمین۔ مسجدِ الٰہی کی زمین مدرسہ اسلامیہ نجم العلوم وادیٔ عمر شاہین نگر حیدرآباد کا (اقامتی وغیر اقامتی) ادارہ ہے، جو شبلی انٹرنیشنل ایجوکیشنل ٹرسٹ کے زیر انتظام 2017 سے خدمات انجام دے رہا ہے، بالکل اسی سے متصل ہے۔مدرسہ ہذا اور بستی کے لئے مسجد ناگزیر ہے، اس وجہ سے آپ تمام حضرات سے گزارش کی جاتی ہے کہ مسجد ہذا کے تعمیری کام میں نقد یا اشیاء کے ذریعہ معائنہ کرکے حصہ لے کر ثوابِ دارین حاصل کریں۔

جزاک اللہ خیرًا احسن الجزاء.

Bank Name : IDBI **A/c Number :** 1327104000065876

A/c Name : SHIBLI INTERNATIONAL EDUCATIONAL AND CHARITABLE TRUST

IFSC Code : IBKL0001327. Branch: Charminar

G Pay & Phone Pay : 8317692718, WhatsApp: 9392533661

العارض: حافظ وقاری مفتی ڈاکٹر محمد محامد ہلال اعظمی خطیب مسجد عالیہ، بانی وناظم مدرسہ ہذا چیرمین شبلی انٹرنیشنل ایجوکیشنل ٹرسٹ حیدرآباد